قیمت پانچ روپے

عمران کے خلاف

بے نظیر انتقام

اس شمارے میں

☆ ہر دفتر میں ایک پاکستان بن جائے گا۔ واجپئی کا ارشاد
☆ پوری دنیا میں اسلامی بیداری سے سنگھ پریوار خوفزدہ
☆ دہشت گردی مخالف کانفرنس یا مغرب کا ڈرامہ
☆ پاکستان میں ثقافتی جنگ شباب پر
☆ مغربی صحافیوں کی آنکھوں پر اسلام دشمنی کی عینک
☆ مغربی پریس کی قلعی کھولنے والی ایک رپورٹ
☆ ایک ایسا جج جس کے نام سے سیاستداں کانپتے ہیں
☆ تسلیمہ نسرین۔ رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے
☆ مغربی جیلوں میں اشاعت اسلام کی دلچسپ روداد

اس کے علاوہ دیگر اہم موضوعات اور مستقل کالم

AUSTRALIA	A$ 3.50	DENMARK	D. KR. 14.00	ITALY	LIT. 3,000	NEW ZEALAND	NZ$ 4.95	SRI LANKA	Rs 40
BANGLADESH	Taka 20	FRANCE	Fr 10	JAPAN		NORWAY	N. KR 12.00	SWEDEN	Kr 15
BELGIUM	Fr 70	FINLAND	F. MK 10.00	KOREA	W 1.800	PAKISTAN	Rs. 15	SWITZERLAND	Fr 3
BRUNEI	B$ 4.50	GERMANY	DM3.50	MALAYSIA	RM 3.00	PHILIPPINES	P 25	THAILAND	B 40
CANADA	C$.3.50	HONG KONG	HK$ 15.00	MALDIVES	Rf 12.00	SAUDI ARABIA	SR 3	U.K.	60p.
CHINA	RMB 12.50	INDONESIA	RP 3,400 (INC.PNN)	NETHERLANDS	G 3.30	SINGAPORE	S$ 2.50	U.S.A.	$1.25

اب کشمیریوں پر مظالم کے پہاڑ مسلح دستے نہیں "سرکاری ملی ٹینٹ" توڑ رہے ہیں

ڈیڑھ سو سے زائد قتل میں ملوث ککہ پرے پر سرکاری نوازشوں کی بارش

سری نگر سے شاذ جلالی کی رپورٹ

حالیہ مہینوں میں کشمیر میں جو نئی صورتحال پیدا ہوئی ہے اس نے عام لوگوں کو نہ صرف دہشت زدہ کردیا ہے، بلکہ کشمیر کے سیاسی مستقبل کے بارے میں بھی ایک سوالیہ نشان کھڑا کیا ہے۔

ایک سال پہلے جب حاجن سوناداری (ضلع بارہمولہ) کے علاقے میں اس وقت کی "اخوان المسلمین" نامی عسکری تنظیم کے ڈویژنل کمانڈر محمد یوسف پرے عرف لکہ پرے عرف جمشید شیرازی نے جماعت اسلامی اور حزب المجاہدین سے وابستہ غیر مسلح افراد کو تشدد اور قتل و غارتگری کا نشانہ بنانا شروع کیا تھا تو بہت سارے لوگوں نے اسے مقامی سطح کے "گروہی تصادم" کا نام دیکر نظر انداز کردیا تھا۔ لیکن جوں جوں شیرازی نے اپنا دائرہ کار پھیلانے کی کوشش کی، لوگ اس بات سے باخبر ہونے لگے کہ شیرازی اور اس کے ساتھی بھارتی خفیہ ایجنسیوں کے اشاروں پر کام کررہے ہیں۔ کے بعد "اخوان المسلمین" نامی تنظیم کے ایک گروپ کو الگ کیا گیا، جس کی قیادت مٹھ صوفی عرف نیاز اخوانی کو سونپی گئی جس نے ایک پریس کانفرنس بلائی اور اعلان کیا کہ انہوں نے تنظیم کے سربراہ ہلال احمد بیگ اور ڈویژنل کمانڈر شمالی کشمیر لکہ پرے کو ان کے ساتھیوں سمیت تنظیم سے خارج کردیا ہے۔ جمشید شیرازی نے ہلال احمد بیگ کے تعاون سے "اخوان" کا لفظ برقرار رکھتے ہوئے "اخوان المسلمین" کے بجائے "اخوان المسلمون" کے نام سے اپنی علیحدہ تنظیم بنالی، جس نے باقاعدہ طور پر ایک ہند نواز شدت پسند تنظیم کا روپ اختیار کرلیا اور اپنی سرگرمیاں جنوبی کشمیر میں اننت ناگ شہر اور اس کے مضافات تک پھیلادیں۔ دوسری جانب شیرازی کے اس اقدام سے حوصلہ پاکر مسلم کانفرنس (جو "آزاد کشمیر" کی برسراقتدار تنظیم جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی شاخ ہے) کی عسکری تنظیم "مسلم مجاہدین" کا ایک دھڑا آزاد نبی کی قیادت میں فوجی اور نیم فوجی دستوں کے شانہ بشانہ کام کرنے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے چند مہینوں کے اندر اندر کشمیر میں سرگرم عسکری تحریک نے ایک نیا رخ اختیار کرلیا۔ بھارتی خفیہ اداروں کی اس نئی بغاوت کش حکمت عملی کا جائزہ لینے سے درج ذیل باتیں ابھر کر سامنے آتی ہیں:—

لکہ پرے اپنے مسلح ساتھیوں کے ساتھ

بھارت کی خفیہ ایجنسیاں بالاخر کشمیر میں اپنا جال پھیلانے میں کامیاب ہوہی گئیں، بڑی تعداد میں مقامی عسکری نوجوان ان کے لئے کام کرنے لگے، ہندوستانی خفیہ اداروں کی وضع کردہ پالیسی کے مطابق سب سے پہلے اسلام پسند عناصر کا خاتمہ کیا جارہا ہے۔ اس سلسلے میں جماعت اسلامی کے سرگرم کارکن پہلے نمبر پر ہیں۔ دیالگام (اننت ناگ) کے رہنے والے چیف میڈیکل آفیسر ڈاکٹر محمود احمد، سابق ایم ایل اے عبدالرزاق میر اور زونل ایجوکیشن آفیسر عبدالخالق ڈار کے قتل کو مثال کے طور پر پیش کیا جاسکتا ہے، جن کو بڑی بے رحمی سے انہی "سرکاری ملی ٹنٹوں" نے دن دھاڑے گولیوں سے بھون ڈالا۔

"سرکاری ملی ٹنٹوں" سے عام کشمیریوں کو لوٹنے کا کام بھی کروایا جاتا ہے۔ گھروں کے اندر گھس کر توڑ پھوڑ کرنا، قیمتی اشیاء کو اڑالے جانا، نقدی اور زیورات پر ہاتھ صاف کرنا، راہ

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

امریکہ کے ایوان صدر میں افطار پارٹیوں اور عید ملن کے نظارے

گذشتہ عید کے موقع پر صدر امریکہ کی اہلیہ ہلیری کلنٹن نے تقریباً ٦٠ لاکھ امریکی مسلمانوں کو ایک خوبصورت تحفہ دیا۔ انہوں نے ایوان صدر میں ممتاز امریکی مسلمانوں، مسلمان سفارتکاروں اور مسلم تنظیموں کے نمائندوں کے علاوہ بہت سے ممتاز امریکی لیڈروں اور شخصیتوں کو ایک عید ملن پارٹی میں مدعو کیا۔ امریکی تاریخ میں خاتون اول کی طرف سے یہ اپنی نوعیت کی پہلی پارٹی تھی

اس عید ملن پارٹی کے علاوہ بھی حال ہی میں بعض ایسے کام ہوئے ہیں جنہیں امریکی تاریخ میں اول ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ایک سال قبل امریکی کانگریس کے سیشن کا آغاز پہلی بار تلاوت کلام پاک سے ہوا تھا۔ واضح رہے کہ بالعموم کانگریس کے اجتماعات کا آغاز بائبل کی تلاوت سے ہوتا ہے۔ اسی طرح ہلیری کلنٹن کی عید ملن پارٹی سے صرف ایک ہفتہ قبل امریکن مسلم کونسل نے ایک افطار پارٹی کا اہتمام کیا تھا جس میں امریکہ کی دونوں اہم پارٹیوں کے متعدد اہم ممبروں، سنیٹروں، کانگریس کے ارکان، مختلف مذاہب کے نمائندوں اور لیڈروں نے شرکت کی تھی۔ یہ افطار پارٹی کیپیٹل ہل پر ہوئی تھی جو اپنی نوعیت کی پہلی پارٹی تھی۔ عید ملن پارٹی ہو یا افطار پارٹی، دونوں ہی اجتماعات میں شرکت کرنے والے امریکی لیڈروں نے اسے خوب سراہا اور کہا کہ اس سے اسلام کو سمجھنے میں مدد ملے گی ہی اسی کے ساتھ بین المذاہب مفاہمت کو فروغ ملے گا۔

رمضان کے مہینے میں افطار پارٹیاں یا عید کے موقع پر عید ملن کا اہتمام کرنا ہندوستانی سیاست کا ایک لازمی حصہ ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اب یہ کلچر امریکہ میں بھی فروغ پارہا ہے۔ سیاسی افطار پارٹی یا عید ملن کی ضرورت امریکہ میں بھی غالباً اسی لئے محسوس کی جارہی ہے کہ اب یہودیوں کی طرح مسلمان بھی منظم ہوکر امریکی سماج میں ایک اہم سیاسی رول ادا کرنا چاہتے ہیں۔ امریکی سیاستدانوں کی عید ملن اور افطار پارٹیوں میں دلچسپی اور شرکت اس بات کی علامت ہے کہ مسلم فیکٹر امریکہ میں بتدریج اہمیت حاصل کرتا جارہا ہے۔

ہلیری کلنٹن نے عید ملن منایا

حکومت کی ان معاشی پالیسیوں سے مسلمانوں کا کوئی بھلا نہیں ہوگا

پانچ سال قبل نرسمہاراؤ کے وزیر اعظم بننے کے بعد ہندوستانی معیشت کو لبرل بنایا گیا تھا۔ سیدھے سادے لفظوں میں اس کا مطلب یہ ہے کہ غیر ملکی سرمایہ کاری کے ضمن میں جو بہت ساری حوصلہ شکن شرطیں تھیں انہیں یا تو بالکلیہ ختم کردیا گیا یا ان میں اس حد تک نرمی کردی گئی کہ غیر ملکی سرمایہ کار ادھر کا رخ کرسکیں۔ لبرل معیشت کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ یہ بازار یا منڈی کے رحم و کرم پر ہوتی ہے۔ Market Oriented یا منڈی رخی معیشت میں غریب عوام بالعموم نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو سرمایے سے محروم غریب مسلمانوں کو بالخصوص معیشت کے لبرلائزیشن سے نہ ہونے کے برابر فائدہ پہونچا ہے۔

> منڈی رخی معیشت میں غریب عوام بالعموم نقصان اٹھاتے ہیں۔ اس طرح سے دیکھا جائے تو سرمایے سے محروم غریب مسلمانوں کو بالخصوص معیشت کے لبرلائزیشن سے نہ ہونے کے برابر فائدہ پہونچا ہے۔

لیکن غیر ملکی کمپنیوں کی گویا قسمت کھل گئی ہے۔ لبرلائزیشن کے بعد ہندوستانی معیشت کے مختلف شعبوں میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کے امکانات بڑھ گئے ہیں۔

درحقیقت کثیر الملکی کمپنیاں سیاسی عدم استحکام اور بعض اپوزیشن جماعتوں کی کچھ مخصوص میدانوں میں غیر ملکی سرمایہ کاری کی مخالفت کے باوجود ہندوستان کو سرمایہ کاری کے لئے مفید تصور کرتی ہیں۔ اپریل میں عام انتخابات کا امکان ہے اور اندازہ ہے کہ کسی پارٹی کو اکثریت نہیں ملے گی اور ملی جلی سرکار بنے گی۔ لیکن غیر ملکی سرمایہ کاروں کا اندازہ ہے کہ یہ سیاسی عدم استحکام زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہے گا۔ دو عوامل خاص طور سے حوصلہ افزا ہیں۔ اول یہ کہ ساری ہی سیاسی جماعتیں، ایک آدھ تحفظات کے باوجود لبرلائزیشن کے حق میں ہیں۔ دوسرے یہ کہ ہندوستانی مارکیٹ بہت بڑا ہے۔ اسی لئے وہ کمپنیاں بھی جو ابھی حقیقی سرمایہ کاری کے لئے تیار نہیں ہیں، حکومت سے مختلف پروجیکٹوں پر سرمایہ کاری کے لئے اجازت حاصل کررہی ہیں۔

ہندوستان کا مارکیٹ بلاشبہ بڑا ہے لیکن عوام کی اکثریت کی قوت خرید بہت کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جنوبی کوریا جیسے چھوٹے سے ملک میں کوکا کولا کی کھپت ہندوستان سے زیادہ ہے۔ لیکن بعض دوسرے شعبوں میں مثلاً Infrastructure میں سرمایہ کاری کی بے انتہا گنجائش ہے۔ مواصلات کے میدان میں آئندہ دس سالوں میں پچاس ارب ڈالر سرمایہ کاری ممکن ہے۔ صرف سیلولر فون کے میدان میں ایک نجی فرم کو ٥ ارب ڈالر سرمایہ کاری کی منظوری مل گئی ہے۔ اسی طرح بجلی کے شعبے میں ہر سال اربوں ڈالر سرمایہ کاری کی گنجائش ہے۔ روڈ، ایرپورٹ یا بندرگاہوں وغیرہ میدانوں میں بھی سرمایہ کاری کی کافی گنجائش ہے۔ اس ضمن میں بہت ساری کمپنیاں حکومت سے مذاکرات کررہی ہیں لیکن ابھی کامیابی نہیں ملی ہے۔

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا کہ منڈی رخی معیشت میں فائدہ انہیں کو حاصل ہوتا ہے جن کے پاس سرمایہ کاری کے لئے وافر رقم ہو۔ اسی طرح چھوٹی صنعتوں کو بھی کافی نقصان پہونچ سکتا ہے الا یہ کہ وہ بڑی فرموں کی حاشیہ بردار بن کر جینے کا سلیقہ سیکھ لیں۔ اس روشنی میں دیکھا جائے تو ہندوستانی مسلمانوں کو لبرلائزیشن سے شاید کوئی فائدہ نہیں پہونچا ہو۔ کیونکہ نئے معاشی ماحول سے فائدہ اٹھانے کے لئے جس سرمایے کی ضرورت ہے وہ ان کے پاس ہے ہی نہیں۔

ایران کے وزیر انٹلی جنس کی گرفتاری کے لئے جرمن عدالت کا وارنٹ

یوروپی ممالک نے ایران کے خلاف معاشی و سیاسی جنگ کا بگل بجا دیا ہے؟

نام نہاد مغربی ایشیا امن کانفرنس میں جو حال ہی میں مصر کے ساحلی شہر شرم الشیخ میں منعقد ہوئی تھی، اسرائیلی وزیر اعظم شمعون پیریز نے تقریر کرتے ہوئے الزام لگایا تھا کہ ایران دہشت گردی کا سب سے بڑا حامی ہے۔ کانفرنس کے چند روز بعد یاسر عرفات نے ایک بیان میں کہا کہ حماس کی دہشت گردانہ سرگرمیوں کو ایران کی حمایت حاصل ہے۔ خود کانفرنس سے پہلے ہی اس نوعیت کی خبریں اور تجزیے مغربی اخبارات میں شائع ہوئے تھے جن میں کہا گیا تھا کہ امن بچاؤ کانفرنس میں ایران کو یکہ و تنہا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ دراصل امریکہ اور برطانیہ ایک مدت سے یوروپی یونین پر دباؤ ڈال رہے ہیں کہ وہ ایران کا تجارتی مقاطعہ شروع کردے۔ اب امریکہ و برطانیہ کو اپنے اس مقصد میں کچھ کامیابی ملتی نظر آرہی ہے۔ چند روز قبل جرمنی، جس کے ایران سے اب تک اچھے تجارتی تعلقات رہے ہیں، ایران سے لگتا ہے ناراض ہوگیا ہے۔ ایک جرمن کورٹ نے ایرانی وزیر برائے انٹلی جنس علی فلاحی جان کے خلاف گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا جرمنی کے ایران سے اچھے تعلقات ہیں۔ دونوں ممالک کی خفیہ ایجنسیاں ایک دوسرے سے تعاون کرتی ہیں خود علی فلاحی جان کئی بار جرمنی کا دورہ کرچکے ہیں۔ ان کا آخری دورہ ۱۹۹۳ء میں ہوا تھا۔ وہ جرمن انٹلی جنس کے ہیڈ کوارٹر اور دوسرے تربیتی مراکز کا دورہ کرنے کے علاوہ اس ملک کے انٹلی جنس منسٹر اور دوسرے اہم عہدیداروں سے ملاقات کرچکے ہیں۔ جرمنی کے ایران سے معاشی تعلقات بھی بہت اچھے ہیں۔ گذشتہ سال ایران نے جرمنی سے سب سے زیادہ سامان درآمد کیا تھا یعنی تقریبا ایک ارب پاؤنڈ سے زیادہ کا۔ اس طرح جرمنی ایران کو سامان برآمد کرنے والا سب سے بڑا ملک تھا۔

> اس امریکی، برطانوی و اسرائیلی اسکیم کی راہ میں اب تک یوروپی ممالک آڑے آتے رہے ہیں جن کے ایران سے سلمان رشدی کے مسئلہ کے باوجود اچھے تجارتی تعلقات رہے ہیں بون کی ایک عدالت سے ایک ایرانی وزیر کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب انہیں اپنے مقاصد میں کسی نہ کسی حد تک کامیابی ملنا شروع ہوگئی ہے

جرمنی کی موجودہ حکومت بھی ایران سے اچھے تعلقات کی خواہاں رہی ہے۔ برطانیہ اور امریکہ کے دباؤ کے باوجود کبھی ایران سے تجارتی تعلق ختم کرنے کے بارے میں نہ سوچا۔ اس کے برعکس جرمنی کے وزیر خارجہ گذشتہ سال برلن میں ایک اسلامی کانفرنس کرنے والے تھے جس میں ایرانی وزیر خارجہ علی اکبر ولایتی شریک ہونے والے تھے۔ مگر جرمن پارلیمنٹ نے جرمنی میں ان کے داخلے پر پابندی لگادی۔ اس اقدام سے ناراض ہوکر جرمن وزیر خارجہ نے سرے سے کانفرنس کرنے کا پروگرام ہی ختم کردیا۔ اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جرمنی ایران سے اپنے تعلقات کو کتنی اہمیت دیتا ہے۔

جرمنی کورٹ کا وارنٹ گرفتاری جاری کرنے کا یہ مطلب بہرحال نہیں ہے کہ جرمن حکومت بھی اس کی حامی ہے۔ اس کا امکان بھی ہے کہ جرمنی اب بھی اپنی پرانی ایران حامی روش پر قائم ہو۔ لیکن کورٹ نے تین کرد لیڈروں کے قتل کرانے کے جرم میں علی فلاحی جان کے خلاف وارنٹ جاری کیا ہے۔ اس پر فوری رد عمل کرتے ہوئے بون میں ایران کے سفیر نے جرمنی کو آگاہ کیا ہے کہ ایسے اقدامات سے دونوں ممالک کے تعلقات ہمیشہ کے لئے متاثر ہوسکتے ہیں۔ انہوں نے اسے یہودی سازش سے تعبیر کیا۔

اسرائیل میں جرمن کورٹ کے حکم نامے کا بہرحال استقبال کیا جائے گا۔ بعض خلیجی ریاستیں بھی اس سے خوش ہوسکتی ہیں۔ لیکن سچ یہ ہے کہ امریکہ و برطانیہ اسرائیل کی مدد سے مغربی ایشیا پر اپنی گرفت دن بہ دن مضبوط کرتے جارہے ہیں۔

ہاشمی رفسنجانی

جنگ خلیج میں عراق کو شکست دینے کے بعد امریکہ اور اس کے حلیف مغربی ممالک مسلسل اس کوشش میں رہے ہیں کہ دنیا خاص طور سے تیل کی دولت سے مالا مال مغربی ایشیا میں ایسا نظام قائم کیا جائے جس سے ان کے مفادات ہمیشہ کے لیے محفوظ ہوجائیں، کئی عرب ممالک نے پہلے ہی گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ ایران، لیبیا، سوڈان اور کسی حد تک شام ہی ایسے ممالک ہیں جو امریکہ کی نو استعماریت کے اب بھی مخالف ہیں۔ امیرکہ، برطانیہ اور اسرائیل اس کوشش میں ہیں کہ ان ممالک میں

باقی: صفحہ ۱۶ پر

رتھ یاترا ٹائیں ٹائیں فش۔ لوٹ کے بدھو گھر کو آئے

لوٹ کے بدھو گھر کو آئے۔ اخبار کی آخری کاپی پریس جارہی ہے اور اطلاعات موصول ہوئی ہیں کہ بی جے پی کے صدر ایل کے آڈوانی اپنی رتھ یاترا بیچ ہی میں ختم کرکے واپس آرہے ہیں۔ یعنی پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا۔ رتھ یاترا کی منسوخی کا فیصلہ کسی اور وجہ سے نہیں بلکہ اس کی زبردست ناکامی کی وجہ سے کیا گیا ہے۔ ۱۹۸۹ء میں سومناتھ سے اجودھیا تک کی رتھ یاترا کی خوں ریز کامیابی سے سرشار آڈوانی اپنی اوقات پر آگئے اور عوام نے انہیں مسترد کرکے بتادیا کہ بابری مسجد کے انہدام کے ساتھ ہی بی جے پی کی مقبولیت بھی منہدم ہوگئی ہے۔ بی جے پی جو اپنی کامیابی کے عروج پر پہنچ گئی تھی تیزی سے رو بہ زوال ہے اور یہ زوال اسے کس خندق میں پٹکے گا کہا نہیں جاسکتا۔

دراصل یاترا اپنے آغاز سے قبل ہی فیل ہوگئی تھی۔ پارٹی کے سینئر لیڈر اٹل بہاری واجپئی اور آر ایس ایس طبقہ یاترا کے حق میں نہیں تھا۔ پارٹی میں آڈوانی مخالف لابی اور آر ایس ایس کا خیال ہے کہ آڈوانی نے رتھ یاترا شروع کرنے کا فیصلہ پارٹی کے حق میں نہیں بلکہ اپنی امیج کو بہتر بنانے کے جذبے سے مغلوب ہوکر کیا تھا۔ حوالہ معاملے میں ان کی رسوائی اس حد تک پہنچ گئی کہ وہ میدان سیاست میں برہنہ ہوگئے اور اپنی برہنگی کو چھپانے کے لئے ایک بار پھر ہندوتو کے پیوند کی تلاش میں نکل پڑے۔ انہیں پارلیمنٹ کی رکنیت سے بھی ہاتھ دھونا پڑا اور عوام میں ان کی اپنی شکل و صورت بھی مسخ اور داغدار ہوگئی۔

آڈوانی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا

سنگھ پریوار کے ساتھ واجپئی نے بھی اس یاترا کی مخالفت کی تھی۔ یاترا شروع ہونے سے قبل دہلی میں بی جے پی اور آر ایس ایس کی ایک اعلی اختیاراتی میٹنگ ہوئی تھی جس میں یاترا کے انعقاد پر غم و غصے کا اظہار کیا گیا تھا۔ بہت کم لوگوں نے یاترا کی تائید کی تھی۔ آڈوانی کو ارنا کلم میں جھنڈی دکھا کر یاترا کا آغاز کرنا تھا لیکن وہ اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ بہت حیل و حجت اور آر ایس ایس کے ذمہ داروں کے سمجھانے کے بعد واجپئی اس کے لئے راضی ہوئے۔ لیکن یاترا کا جو حشر ہوا اس نے آڈوانی اور ان کے حلیفوں کو بوکھلاہٹ اور مایوسی میں مبتلا کردیا۔ ایک طرف جہاں یاترا کی ناکامی پر آڈوانی کیمپ میں مایوسی ہے وہیں دوسری طرف آڈوانی مخالف لابی میں خوشی اور جوش و خروش ہے۔ پارٹی کے کئی لیڈروں کا خیال ہے کہ اب آڈوانی کی قیادت میں کوئی کرشمہ نہیں رہ گیا اگر پارٹی پارلیمنٹ کی اپنی سابقہ نشست ہی برقرار رکھنے میں کامیاب ہوجاتی ہے تو بہت بڑی بات ہوگی۔

> دراصل رتھ یاترا شروع سے ہی فلاپ رہی۔ کسی بھی شہر یا قصبے میں آڈوانی کی توقع کے مطابق ان کا خیر مقدم نہیں ہوا۔ معدودے چند لوگ ہی ان کی تقریر سننے آئے۔ کانگریس کے ترجمان کا یہ دعوی کہ رتھ یاترا بی جے پی کی "انت یاترا" (یعنی سفر آخرت) ثابت ہوگی بہت حد تک صحیح لگتا ہے۔

دراصل رتھ یاترا شروع سے ہی فلاپ رہی۔ کسی بھی شہر یا قصبے میں آڈوانی کی توقع کے مطابق ان کا خیر مقدم نہیں ہوا۔ معدودے چند لوگ ہی ان کی تقریر سننے آئے۔ کانگریس کے ترجمان کا یہ دعوی کہ رتھ یاترا بی جے پی کی "انت یاترا" (یعنی سفر آخرت) ثابت ہوگی بہت حد تک صحیح لگتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بی جے پی نے جتنے بھی نعرے لگائے سب پٹ گئے ایک بھی نعرہ بی جے پی کے حق میں آندھی تو آندھی ہوا بھی چلانے میں کامیاب نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے الٹے اثرات ہی مرتب ہوئے۔ ملی ٹائمز نے گذشتہ شمارے میں لکھا تھا کہ یہ یاترا بری طرح فلاپ ہوجائے گی یہ بات بالکل درست ثابت ہوئی ہے۔

ابھی بی جے پی کا زوال ختم نہیں ہوا ہے۔ بی جے پی نے جھارکھنڈ مکتی مورچہ کے رکن پارلیمنٹ شیلیندر مہتو کو توڑ کر ان سے نرسمہا راؤ

باقی صفحہ ۱۲ پر

"جیتیں گے ہم جیتیں گے کے ساتھ انشاء اللہ نہیں لگا تھا لہٰذا خدا ناراض ہو گیا"

پاکستانی ٹیم کی شکست کے بعد پاکستان میں نظریاتی اور ثقافتی جنگ شباب پر

بنگلور میں ہندوستان کے ہاتھوں پاکستانی کرکٹ ٹیم کی شکست سے پاکستان میں صحت مند افسوس وافسردگی کے بجائے سیاسی وثقافتی تنازعات کھڑے ہوگئے ہیں۔ بلاشبہ بعض مبصرین نے مشورہ دیا ہے کہ کھیل کو صرف کھیل کے طور پر دیکھا جائے اور اسے ایک کھیل ہی کی شکست وفتح سمجھا جائے۔ مگر پاکستانی عوام تو عوام وہاں کے سیاستدانوں نے بھی معقولیت سے خالی ردعمل کا مظاہرہ کیا۔ دراصل ایسا اس لئے بھی ہے کہ پاکستان کے سیاستداں باہم بری طرح دست وگریباں ہیں۔

ہندوستانی ٹیم کی جیت پر ہمارے سیاستدانوں کا ردعمل بھی متوازن نہیں رہا۔ پاکستان ہی کی طرح ہمارے یہاں کے اکثر اخبارات نے بھی احمقانہ تبصرے کیے۔ ایک انگریزی روزنامے نے تو یہ تک لکھ دیا تھا کہ ہندوستان ہر کسی سے ہار جائے، ورلڈ کپ نہ جیت پائے مگر پاکستان کو ہرادے تو یہ گوارا ہوگا۔ جب اخبارات اور سیاستداں سنجیدگی کا مظاہرہ نہ کریں تو عوام سے غیر سنجیدہ حرکتیں سرزد ہوں گی ہی۔ آخر ساؤتھ افریقہ سے پاکستان کی شکست پر خوشیاں منانے کا کیا تک ہے؟ سچ یہ ہے کہ بنگلور میچ کے بعد ہندوپاک میں سیاسی وعوامی سطح پر جس ردعمل کا مظاہرہ کیا گیا وہ ہر اعتبار سے غیر صحت مند ہے۔

پاکستان مسلم لیگ نواز گروپ کے شجاعت حسین نے پاکستان کی شکست پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایسا اس وجہ سے ہوا کہ پاکستان پر نواز شریف کے بجائے بے نظیر حکمراں ہیں۔ ایک مذہبی رجحانات کے حامل سیاستداں نے کہا کہ پاکستان پر عورت کی حکمرانی ہونے کی وجہ سے خدا کا غضب ہوا اور ٹیم ہار گئی۔ حکمراں جماعت کے ممبروں کا کہنا تھا کہ کھیل کھیل ہے اور اس میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے۔

لیکن جماعت اسلامی کے امیر قاضی حسین احمد کے اس بیان نے ایک نظریاتی اور ثقافتی بحث چھیڑ دی کہ پاکستان ٹیلی ویژن پر کرکٹ ورلڈ کپ کے تعلق سے ثقافت کے نام جو عریاں پروگرام دکھائے گئے اس کی وجہ سے خدا ناراض ہوا اور پاکستان ہار گیا۔ اپوزیشن کے ایک اور سیاستداں نے کہا "جیتیں گے ہم جیتیں گے" میں چونکہ انشاء اللہ نہیں لگایا گیا تھا اس لئے یہ غرور خدا کو پسند نہ آیا اور پاکستان شکست کھا گیا۔ الغرض مذہبی جماعتوں سے تعلق رکھنے والے سینٹ ممبروں کا الزام تھا کہ حکومت کلچر کے نام پر مغربیت کو فروغ دے رہی ہے۔

> وزیر مملکت برائے قانون رضا ربانی نے کہا کہ جو کچھ دکھایا گیا وہ پاکستان کا مقبول عام کلچر ہے اور جماعت اسلامی کا "اسلامی کلچر" سرکار کو منظور نہیں ہے۔ ربانی نے یہ بھی کہا کہ گذشتہ انتخاب میں قاضی صاحب کی انتخابی مہم کے دوران میوزک کے ساتھ فلمی دھنوں پر انتخابی گانے گائے گئے تھے۔

قاضی حسین احمد کے ریمارک کے بعد پاکستانی سینٹ میں اسلامی اور عوامی کلچر کے نام پر ایک بحث چھڑ گئی۔ قاضی صاحب کا کہنا تھا کہ کلچر کے نام پر عریانیت وفحاشی کا ٹیلی ویژن سے دکھایا جانا غیر اسلامی ہے۔ اس پر وزیر مملکت برائے قانون رضا ربانی نے کہا کہ جو کچھ دکھایا گیا وہ پاکستان کا مقبول عام کلچر ہے اور جماعت اسلامی کا "اسلامی کلچر" سرکار کو منظور نہیں ہے۔ ربانی نے یہ بھی کہا کہ گذشتہ انتخاب میں قاضی صاحب کی انتخابی مہم کے دوران میوزک کے ساتھ فلمی دھنوں پر انتخابی گانے گائے گئے تھے۔

ربانی کے ریمارک کے بعد قاضی حسین نے دوبارہ تقریر کرتے ہوئے کہا کہ اسلام خوشی کے اظہار پر پابندی عائد نہیں کرتا لیکن اس ضمن میں اسلام نے کچھ حدود متعین کی ہیں جن کا لحاظ کیا جانا چاہئے۔ انہوں نے رضا ربانی سے کہا کہ پاکستان کا کلچر یہ نہیں کہ مرد اور عورت ایک ساتھ ناچیں گائیں۔ رضا ربانی نے اپنی تقریر میں جو تیکھا لہجہ اختیار کیا تھا اس کے جواب میں قاضی صاحب نے کہا کہ "اس ایوان میں کوئی کسی کا غلام نہیں ہے۔ وزیر محترم کو پارلیمانی آداب کا لحاظ ہونا چاہئے اور اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو انہیں مشکلات کا سامنا ہوسکتا ہے۔" قاضی صاحب نے رضا ربانی کے علماء کو ملا اور اس قسم کے دوسرے القاب سے نوازے جانے پر احتجاج کہا کہ "وہ لوگ اسی کے مستحق ہیں جو چند روز پہلے انہیں کہا گیا تھا مگر تہذیب ہمیں ایسا کہنے سے روکتی ہے۔" واضح رہے کہ چند روز قبل سنیٹر سمیع الحق نے پیپلز پارٹی کو ناچنے والوں اور کنجڑوں کی پارٹی کہا تھا۔ اس ریمارک کو ایوان کی کارروائی سے احتجاج کے بعد نکال دیا گیا تھا۔

پیپلز پارٹی والوں نے اور رضا ربانی نے جوابا روایتی انداز میں "ملا" اور ملائیت کا مذاق اڑایا۔ رضا ربانی نے کہا کہ قاضی صاحب نے انہیں دھمکی دی ہے اور اگر ان کا خیال ہے کہ ان کے "پاسبان والے" ان کا کچھ بگاڑ لیں گے تو یہ ان کی غلط فہمی ہے۔ واضح رہے کہ "پاسبان" جماعت اسلامی کی ایک ذیلی سماجی تنظیم ہے۔ حکمراں جماعت کے منظور کیچکی اور ڈاکٹر شیر افگن نے بھی بحث میں حصہ لیا اور علماء اور ان کے تصور کلچر اور اسلامی ثقافت کو "عوامی کلچر" سے مختلف بتاتے ہوئے کہا کہ عوام نے انہیں مسترد کر کے ان کے تصور ثقافت کو بھی رد کر دیا ہے۔ ڈاکٹر افگن وغیرہ باقاعدہ ہرزہ سرائی پر اتر آئے تھے اور اپنے مخالف علماء کے علاوہ اسلام کو بھی نشانہ بنانے سے نہ چوکے۔ اسلام پر یہ حملے "ملا ازم" اور "بنیاد پرستی" کی تنقید کی آڑ میں کیے گئے۔ ایوان میں موجود نہ صرف علماء بلکہ دوسرے سنجیدہ ممبروں نے بھی اس کا سخت نوٹس لیا۔ ان لوگوں کے بقول پیپلز پارٹی ہمیشہ سے اسلام کے بارے میں جاہلانہ طرز عمل اپنائے ہوئے ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا تھا کہ ڈاکٹر افگن وغیرہ تصور ثقافت پر علمی بحث چھیڑنے کی بات کرتے ہیں لیکن اشخاص خصوصا اپنے مخالفین کو مہذب ناموں سے پکارنے جیسی بنیادی تہذیبی شرافت سے بھی عاری ہیں۔

نیشنل اسمبلی، سڑکوں اور اخبارات میں جاری سیاسی وغیر سیاسی بحث کو دیکھ کر پاکستانی وزیر اعظم بے نظیر نے بنگلور شکست کی تحقیق کا حکم دے دیا ہے۔ یہ خبر بھی ملی ہے کہ بعض لوگوں نے وسیم اکرم اور عامر سہیل کے گھر پر پتھراؤ بھی کیا۔ افسوس کے ساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ سب کھیل کی اسپرٹ کے منافی ہے۔

پاکستانی ٹیم شکست کے بعد اپنے وطن لوٹتے ہوئے

خودساختہ قوم پرستوں کو اظہر اور سدھو نے ان کا مقام یاد دلادیا

ہندو پاک کے فرقہ پرست عناصر کھیلوں کو سیاسی رنگ نہ دیں تو بہتر ہے

یہ بات انتہائی شرمناک ہے کہ بہت سے ہندوستانی کرکٹ کھیلنے کو جنگ کرنے کے مترادف، ایک جہاد یا دھرم تصور کرتے ہیں۔ جذبات کی شدت اتنی بڑھی ہے کہ ہندوستان کے خلاف اپنی قومی ٹیم کی شکست کی "ذلت" کو برداشت نہ کرنے کی وجہ سے ایک پاکستانی نوجوان نے خود کو ہلاک کرلیا۔ اگر پاکستانی ٹیم کو دھمکی ملی کہ اس کا استقبال سڑے انڈوں اور ٹماٹروں سے کیا جائے گا تو کچھ ایسی ہی قسمت ہندوستانی ٹیم کی بھی ہوتی اگر وہ میچ ہار جاتی۔ بنگلور میچ سے پہلے کچھ ایسا ہی ماحول پیدا کرنے کی کوشش ہوئی تھی۔ ایسے ماحول میں اس شام کے زبردست تناؤ والے ڈرامے کے بعد کسی فرقہ وارانہ تشدد کا نہ پھوٹ پڑنا بہت اہم ہے اگرچہ بعض اکاد کا واقعات کی خبریں ملی ہیں۔

شکست کے بعد پاکستان میں جو بیکار قسم کا پوسٹ مارٹم ہورہا ہے، ویسا ہی کچھ یہاں بھی ہوتا اگر ان جذبات کو دیکھا جائے جو میچ سے پہلے یہاں تھے، یہاں تک کہ بعض لوگوں نے کوشش کی تھی کہ ہندوستان کی سرزمین پر ہندوپاک میچ نہ ہو۔ انجام کار اظہرالدین کی قیادت میں ہندوستانی ٹیم نے قوم کا سر فخر سے اونچا کیا اور کرکٹ کو پسند کرنے والے ہر ہندوستانی کے دل کو اپنی کارکردگی سے خوش کردیا۔ وہ خودساختہ "قوم پرست" جنہیں ایک کرکٹ میچ پر "بھارت ماتا" کی توہین کا خوف تھا انہیں اظہرالدین، سدھو اور جڈیجہ نے نہ صرف ان کا مقام یاد دلادیا بلکہ قومی پرچم کو بلند بھی کیا۔

> انجام کار اظہرالدین کی قیادت میں ہندوستانی ٹیم نے قوم کا سر فخر سے اونچا کیا وہ خودساختہ "قوم پرست"، جنہیں ایک کرکٹ میچ پر "بھارت ماتا" کی توہین کا خوف تھا نہ صرف ان کا مقام یاد دلادیا بلکہ قومی پرچم کو بلند بھی کیا۔

اگر وہ دن اور رات ہندوستان کے تھے تو یہ اسی طرح پاکستان کے بھی ہوسکتے تھے۔ میچ کے دوران ایک وقت، دونوں برابر تھے، جب پاکستان نے ہندوستان کے متاثر کن چیلنج کا زبردست جواب دیا اور آغاز میں نمایاں رن ریٹ حاصل کرلیا تھا۔ دو اچھی ٹیموں نے اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا، دونوں ہی جیت کی مستحق تھیں، لیکن انجام کار جیسا کہ ہمیشہ ہوتا ہے 'اس دن اچھا کھیلنے والی ٹیم کو فتح ہوئی۔ یہ قابل افسوس ہے کہ ہم میں سے کچھ لوگ اس کھیل سے متعلق یہ رویہ اختیار نہیں کرپاتے خاص طور سے جب مقابلہ پاکستان سے ہو۔ وہ ہندوستانی اخبارات جنہوں نے اس قسم کی سرخیاں لگائیں کہ "ہندوستان نے پاکستان کو تازیانے لگادیے" یا ایسی ہی دوسری سرخیاں لگائیں جن میں فتح کا اعلان تھا، جیسے کہ یہ میچ نہ ہو بلکہ جنگ ہو، ان لوگوں نے ایسے جذباتی الفاظ استعمال کرنے کے بارے میں اس وقت نہ سوچا جب سری لنکا نے ہندوستان کو روند ڈالا تھا (اور بعد میں بھی روندا اور فائنل میں پہنچنے اور پھر ورلڈ کپ کا فاتح بننے سے روک دیا)۔ آخر کھیل میں شکست تازیانہ مارنے کے مترادف کب ہوتی ہے؟ یہ قابل فہم ہے کہ قومی وقار وافتخار ایسے مقابلوں میں کھلاڑیوں اور تماش بینوں دونوں کو انگیز کرتا ہے۔ مزید برآں سیاستدانوں نے ساری دنیا میں کھیلوں کو سیاسی رنگ دے دیا ہے ..... سیاستداں اپنے مقاصد کے لئے کھیلوں کو سیاسی رنگ دینے میں مصروف ہیں۔ یہ تو قابل افسوس ہے ہی۔ اس سے بھی کہیں زیادہ افسوسناک بات اس وقت ہوتی ہے جب عام آدمی ایسی بھیڑ بھاڑ کی نفسیات کا خود بخود شکار ہوکر کھیل سے لطف اندوز ہونے کے بجائے اسے قوم کا سیاسی ایجنڈا یا کمیونٹی کی عزت نفس سمجھنے لگتے ہیں۔ وقت آگیا ہے کہ ہندوپاک کے فرقہ واریت پھیلانے والے بنیاد پرست کھیلوں کو سیاسی رنگ دینا چھوڑ دیں اور عوام کو اچھے کھیلوں سے لطف اندوز ہونے کا موقع دیں۔

(ایک انگریزی روزنامہ کا اداریہ)

عالمی کرکٹ میں سری لنکا کی بادشاہت کے سنہرے دور کا آغاز

ورلڈ کپ کی تلخ یادوں کی بازگشت برسوں تک ہندوپاک کی ٹیموں کا پیچھا کرتی رہے گی

تحریر: سید اجمل حسین

مارک وا، سچن تندولکر، سعید انور، عامر سہیل، اروندا ڈی سلوا اور گورو سنہا کے بلے کی گرج، انل کمبلے، وقار یونس، پال اسٹرانگ، جے سوریہ، شین وارن اور مشتاق احمد کی بالنگ کی چمک کے خوشگوار لمحات لیکن ایڈن گارڈن سانحہ، محمد اظہر الدین اور وسیم اکرم کے گھروں پر پتھراؤ، پاکستانی کھلاڑیوں کو قتل کی دھمکی، سری لنکا کے خلاف ویسٹ انڈیز و آسٹریلیا کی محاذ آرائی اور عامر سہیل۔ وینکٹیش پرساد میں تلخ کلامی کی تلخ یادیں اور ہندوستانی کرکٹ کو اپنے پیچھے روتا بلکتا چھوڑ کر عالمی کپ دنیائے کرکٹ کی تاریخ میں سری لنکا کی شہنشاہیت کا سنہرا باب رقم کرتا ہوا کولمبو کی سیر پر روانہ ہوگیا۔ سیمی فائنل میں ہندوستان کو اور فائنل میں آسٹریلیا کو ہرا کر ایک طرف تو اس نے اپنی ناک کٹنے کا صدیوں پرانا انتقام لیا ہے اور دوسری جانب کنگاروؤں کے ملک میں جانبدار و قوم پرست امپائروں کی مدد سے اپنی حالیہ شکست کا بدلہ آسٹریلیا سے لے کر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کی ہے۔

اگرچہ جس وقت لیگ میچوں کا مرحلہ ختم ہوا تو متفقہ طور پر یہ کہہ دیا گیا تھا کہ اس بار کا کرکٹ ورلڈ چمپئن ساؤتھ افریقہ ہوگا لیکن ناک آؤٹ مرحلہ میں کچھ ایسے پانسے پلٹے جن کی کسی کو کوئی امید بھی نہیں تھی۔ لیکن وہ کرکٹ ہی کیا جو گرگٹ کی طرح رنگ نہ بدلے۔ لیکن جس طرح برصغیر ایشیا میں بدترین انتظامات کے ساتھ یہ کروڑوں روپے کی لاگت کا کرکٹ میلہ اپنی بھیانک یادیں اپنے پیچھے چھوڑ کر گیا ہے اسی طرح سری لنکا کی اس ٹورنامنٹ میں اپنی سرزمین و غیر جانبدار امپائروں کی نگرانی میں اجنبی مقامات پر شاندار کامیابیوں نے صرف اپنے ہی ملک میں بے مثال کامیابیاں حاصل کرنے والی بڑی بڑی ٹیموں کی صلاحیتوں کی قلعی کھول دی۔ سری لنکا کے کپتان راناتنگے نے گذشتہ دو برسوں سے فتوحات کے نشے میں چور آسٹریلیا اور دنیائے کرکٹ میں دیومالائی کردار بنا کر پیش کیے جانے والے لیگ اسپنر شین وارن کی اصلیت جس طرح بے نقاب کی اس نے سری لنکا کے ہر کھلاڑی کو فاتح عالم کا اعزاز دلوادیا۔ کرکٹ کے بڑے ابا آسٹریلیا نے خواب و خیال میں بھی نہیں سوچا ہوگا کہ جس ٹیم کو وہ "تیسرے درجہ" کی ٹیموں میں ایک اچھی ٹیم کی حد تک ہی درجہ دیتے ہیں وہ انہیں کھیل کے ہر شعبہ میں نہ صرف بری طرح مات دے گی بلکہ دنیائے کرکٹ کو یہ باور کرادے گی کہ اگر بنسین اینڈ ہیجز سیریز کے بیسٹ آف تھری فائنل میں آسٹریلوی امپائروں کی جگہ غیر جانبدار ملکوں کے امپائر ہوتے تو آسٹریلیا کو اس کی اوقات کا علم سرزمین آسٹریلیا پر ہی ہوجاتا۔

اگر آسٹریلیا کولمبو جاکر سری لنکا سے کھیلنے سے انکار نہ کرتا اور سری لنکا کو اس کی سرزمین پر جاکر ہرادیتا تو شاید کہانی تشنہ ہوتی اور سری لنکا والے جس انتقامی جذبہ سے کھیل رہے تھے اس جذبہ سے ناآشنا ہوتے اور آسٹریلیا کو سری لنکا کو اس کی سرزمین پر ہرانے کا فائدہ اس فائنل میں حاصل رہتا۔ اب جو ہوا سو ہوا لیکن اتنا ضرور ہوا کہ ہندوستان کے سابق عظیم آل راؤنڈر کپل دیو کی یہ تھیوری کیسی غلط ثابت ہوگئی کہ سری لنکا اپنے ملک سے باہر کوئی میچ جیتنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ (کپل دیو کو سری لنکا کے امپائروں سے شکایت تھی) لیکن اب کپل دیو کو بھی اپنا نظریہ بدلنا پڑے گا اس لیے کہ سری لنکا کی اس شاندار کامیابی کو Fluke نہیں کہا جاسکتا۔ وہ گذشتہ دو برسوں سے اس ورلڈ کپ کو اپنے ملک لے جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے اور ٹورنامنٹ کے پہلے میچ سے ہی وہ اس کے مستحق تو نظر آرہے تھے لیکن کیفیت یقینی اس لیے نہیں تھی کہ پاکستان، ہندوستان، جنوبی افریقہ اور آسٹریلیا بھی کاغذ پر بہت مضبوط ٹیمیں تھیں۔

لیکن ان چاروں ٹیموں نے اپنے پرستاروں کو اپنی خراب کارکردگی سے ہی نہیں بلکہ اپنی ناقص حکمت عملی سے بھی بہت مایوس کیا۔ ہندوستان گوالیار میں ویسٹ انڈیز کو ہرانے کے بعد بمبئی میں آسٹریلیا سے اور دہلی میں سری لنکا سے ہار گیا۔ تاہم کوارٹر فائنل کھیلنا تمام ۸ بڑی ٹیموں کے لیے ایک یقینی امر تھا اس لیے اس پر ان شکستوں سے کوئی فرق نہیں پڑا مگر ایک بات ضرور سامنے آئی کہ ہندوستان صرف اور صرف تنہا سچن تندولکر کے سہارے ورلڈ کپ جیتنے کے ارادہ سے میدان میں اترا تھا۔ اگرچہ دہلی میں محمد اظہرالدین نے اور بمبئی میں سنجے منجریکر نے سچن تندولکر کا ساتھ دیا لیکن کہیں صرف کسی ایک کھلاڑی پر ہی تکیہ کرکے کوئی میچ جیتا جاسکتا ہے؟ ہندوستان کے ساتھ صورت حال یہی رہی جس کا خمیازہ اسے سیمی فائنل میں بھگتنا پڑا۔ بالنگ میں تو ہندوستان نے اور بھی خراب کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ دہلی میں سری لنکا کے خلاف ایک اسپنر کم کرکے محمد اظہرالدین نے جو خمیازہ بھگتنا تھا اس سے وہ اگلے میچوں کے لیے سبق حاصل نہ کرسکے اور سیمی فائنل میں بھی وہی غلطی دہرائی اور ایک اچھے آل راؤنڈر کی کمی کو ایک اضافی اسپنر سے دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی نتیجہ میں میڈیم پیسروں نے ۲۰ اووروں میں ۱۱۵ رنز دے ڈالے جبکہ سچن تندولکر سمیت ۳ اسپنروں نے ۳۰ اووروں میں صرف ۱۲۵ رنز دیے۔ اگر راجو کو بھی شامل کرلیا جاتا تو شاید نقشہ ہی کچھ اور ہوتا۔ اظہر نے ایک غلطی یہ کی کہ میڈیم پیسروں میں سری ناتھ سے جو کہ زیادہ کامیاب ہورہے تھے اور تین وکٹ بھی لے چکے تھے پورے دس اوور نہیں پھنکوائے اس وقت شاید ان کے ذہن پر کرکٹ میدان نہیں سنگتیا بجلانی کے ساتھ چہل قدمی کرنے والا پارک سوار

ارجن راناتنگے صدر چندریکا کمارتنگے کو اپنا فخریہ کپ پیش کرتے ہوئے

ایک طرف محمد اظہرالدین کی کپتانی کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے تو دوسری جانب منوج پربھاکر، ونود کامبلی اور سنجے منجریکر کا کیریئر داؤ پر لگ گیا ہے ادھر سرحد کے اس پار بھی زبردست بے چینی پائی جارہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں ملکوں کی ٹیمیں اس ورلڈ کپ کی تلخ یادوں سے چھٹکارا پاکر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرسکیں گی یا سنگاپور اور شارجہ ٹورنامنٹ ان دونوں کو ہی سردخانے میں پہنچادے گا۔

باقی صفحہ ۹ پر

فرینک برونو کو ٹائسن کا دھواں دھار جواب ۔ میں عظیم ہوں میں عظیم ہوں

مائک ٹائسن یا ملک عبدالعزیز نے، جن کے اسلام قبول کرلینے سے عالم مغرب کی نیند حرام ہوگئی ہے، ایک بار پھر ثابت کردیا ہے کہ وہ باکسنگ کی دنیا کے بے تاج بادشاہ ہیں۔ ۱۷ مارچ کو لاس ویگاس میں انہوں نے برطانیہ کے فرینک برونو کو تیسرے راؤنڈ میں ناک آؤٹ کرکے ایک بار پھر عالمی چمپین ہونے کا خطاب جیت لیا ہے اور یہ ثابت کردیا ہے کہ ساڑھے تین سال کی جیل کی سزا سے ان کی طاقت پر کوئی اثر نہیں پڑا ہے۔

چار سال سے کچھ زائد عرصہ قبل ٹائسن کو ایک سیاہ فام عورت سے زبردستی زنا کرنے کے الزام میں جیل کی سزا ہوئی تھی۔ جیل کی تنہائی میں انہیں اسلام کے مطالعے کی فرصت ملی۔ توفیق الٰہی سے وہ اسلام سے قریب آئے اور جیل سے نکلنے کے فوراً بعد ایک مسجد میں نماز شکرانہ ادا کرکے انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کردیا۔ اسلام لانے کے بعد انہوں نے اپنا نام ملک عبدالعزیز رکھ لیا۔ مگر مغربی دنیا اور مغربی پریس تعصب سے انہیں اب بھی ٹائسن ہی کے نام سے پکارتے ہیں۔

فتح کے بعد ٹائسن اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے

ٹائسن کے قبول اسلام کے بعد مغربی پریس ان کا سخت مخالف ہوگیا ہے۔ وہ ٹائسن پر یہ اعتراض کرنے لگا ہے کہ ان میں اب پہلے جیسی بات نہ رہی نہ وہ پھرتی ہے اور نہ ہی ان کے مکوں میں اب پہلے جیسی طاقت ہے۔ انہیں رپورٹوں سے متاثر ہوکر دوسرے باکسر بھی اسی قسم کی باتیں کہنے لگے تھے۔

بلاشبہ ساڑھے تین سال تک رنگ اور پریکٹس سے دور رہنے کی وجہ سے ملک عبدالعزیز کی صحت پر کچھ اثر پڑا تھا۔ ٹریننگ کے ختم ہوجانے کی وجہ سے ان کی پھرتی پر بھی اثر پڑا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جیل سے رہائی کے بعد دو مقابلوں میں اگرچہ انہیں کامیابی ملی، لیکن ان میں پہلے جیسی بات نہ تھی۔ اب ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ کمی خطرناک حد تک واقع ہوئی ہو جسے دوبارہ حاصل کرنا مشکل ہو۔ عبدالعزیز کے کوچ کے مطابق انہوں نے ان خامیوں پر بڑی تیزی سے قابو پایا۔ یہی وجہ ہے کہ اس سابقہ پلان کو جس کے مطابق عالمی چمپین کے اعزاز کے لیے لڑنے سے پہلے ملک عبدالعزیز کو کم از کم چار مقابلوں میں حصہ لینا تھا، انہوں نے بدل دیا اور صرف ابتدائی مقابلوں ہی کے بعد برطانیہ کے فرینک برونو کو چیلنج کردیا جو اپنی شکست سے قبل عالمی چمپین تھے۔

فرینک برونو کو بہت زیادہ بولنے کی عادت ہے۔ وہ خود بھی یہی دعوی کررہے تھے کہ اب ٹائسن یا ملک عبدالعزیز میں پہلے جیسی بات نہیں رہی اس لئے وہ انہیں بہ آسانی شکست دے دیں گے۔ ان کی اس ڈینگ سے اہل برطانیہ بھی متاثر نظر آتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ۵ ہزار برطانوی شہری برونو کی ہمت افزائی کے لیے امریکی شہر لاس ویگاس آئے تھے۔ یہ میچ سے قبل برونو برونو کا نعرہ لگانے کے ساتھ یہ کہہ رہے تھے کہ ۱۹۸۵ء میں ٹائسن کے ہاتھوں نہ صرف اپنی شکست کا بدلہ لے گا بلکہ اپنے خطاب کا کامیابی سے دفاع بھی کرے گا۔

لیکن مقابلہ شروع ہونے کے چند سکنڈ بعد ہی برطانوی تماشائیوں کا سارا جوش سرد پڑ گیا۔

۵ ہزار برطانوی شہری برونو کی ہمت افزائی کے لیے امریکی شہر لاس ویگاس آئے تھے۔ یہ میچ سے قبل برونو برونو کا نعرہ لگانے کے ساتھ یہ کہہ رہے تھے کہ ۱۹۸۵ء میں ٹائسن کے ہاتھوں نہ صرف اپنی شکست کا بدلہ لے گا بلکہ اپنے خطاب کا کامیابی سے دفاع بھی کرے گا۔ لیکن مقابلہ شروع ہونے کے چند سکنڈ بعد ہی برطانوی تماشائیوں کا سارا جوش سرد پڑ گیا۔

ملک عبدالعزیز نے برونو کے سر اور منہ پر کئی گھونسے برسائے جن سے ان کے بائیں ابرو کے پاس سے خون رسنے لگا۔ دوسرے راؤنڈ میں بھی عبدالعزیز کا پلہ بھاری رہا۔

باقی صفحہ ۱۲ پر

پھر تو انسانی جسم شیطانوں کے لئے پلے گراؤنڈ بن جاتا ہے

ابلیس کے باغی رفیق کا انٹرویو —— تیرہویں قسط

جارو جا کی باتیں بڑی دلچسپ اور چشم کشا تھیں۔ اس نے ابلیس کے ہیڈ کوارٹر میں منائے جانے والے جشن اور خوشیوں کی جو وجوہات بیان کیں ان سے پتہ چلا کہ آج مسلمان ایسے بہت سے کام اسلام سمجھ کر کرتے ہیں جن کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور مسلمانوں کے ان کارناموں پر ابلیس کے حلقے میں خوب خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ اس سلسلے میں اس سے بہت ساری حیرت انگیز معلومات حاصل ہوئیں۔ لیکن انہیں معلومات کے ساتھ ساتھ ہماری گفتگو اجنہ کے دیکھنے اور نہ دیکھنے پر بھی چل رہی تھی۔ چنانچہ اس پہلو پر بھی جارو جا نے اچھی طرح روشنی ڈالی۔ جیسا کہ اس سے پہلے بھی اس سلسلے میں تفصیلات آچکی ہیں ہم پھر ان کو آگے بڑھاتے ہیں تاکہ گفتگو ایک پہلو پر مرکوز ہو کر نہ رہ جائے۔ لہٰذا ہم ایک بار پھر باغی رفیق کی گفتگو کے اس دوسرے پہلو کو پیش کر رہے ہیں۔ رہی یہ بات کہ ابلیس کے ہیڈ کوارٹر میں کیسی کیسی سازشیں ہوتی ہیں اور کن کن باتوں پر جشن منایا جاتا ہے اس کی تفصیل ہم اگلے شماروں میں پھر دیں گے۔

جارو جا نے بتایا کہ جنات کا انسانی آنکھوں سے نظر آنا عموماً ناممکن ہے لیکن بعض استثنائی حالتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی پر سحر کر دیا جائے یا کسی کو سحر کیا ہوا پانی پلادیا جائے۔ آپ کو یہ باتیں یقیناً عجیب اور نئی معلوم ہوں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ حالت میں کسی خیالی وجود کو اس کی عام زندہ شکل و صورت میں دیکھا جانا ممکن ہے۔

میرے اس سوال پر کہ کیا تم اس کی تفصیل بتا سکتے ہو اس نے کہا کہ میں آپ کو پوری وضاحت کے ساتھ بتاؤں گا لیکن بس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول ہمیشہ محل نظر رکھیے کہ جس نے سحر کیا اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔

دنیا میں ایسے لوگ بھی ہیں جو خود کے شیطان کے ہاتھوں پر بیعت کر لیتے ہیں وہ اپنے ہی ہم نفسوں میں سے کسی پر سحر کے ذریعے غلبہ پانے کی کوشش کرتے ہیں مثلاً یہ کہ اس کی زندگی تباہ کر دیں، اس کے حالات سے واقفیت حاصل کر لیں، اس کی تجارت کو ناکام بنا دیں، اس کی بیوی سے تعلق قائم کر لیں، یا اسی فکر میں مبتلا رہتے ہیں کہ اس کو آرام و سکون سے نہ جینے دیں۔ ایسے ہی لوگوں میں بعضوں کو اپنے شکار یا نشانے کو شیطانی اقوال پڑھ کر پھونکا ہوا یا خبیثانہ تعویذ گھولا ہوا پانی پلادینے میں کامیابی مل جاتی ہے۔ جب یہ پانی مسحور شخص کے جسم میں داخل ہوتا ہے تو اس میں ایسی مقناطیسیت پیدا ہو جاتی ہے جو اس کی طرف شیطانوں کو متوجہ کرتا ہے اور پھر یہ انسانی وجود ایک ایسے کھیل کا میدان بن جاتا ہے جس میں کوئی گول کیپر نہ ہو اور پھر اس میں شیاطین کی آزادانہ آمد و رفت ہونے لگتی ہے۔

واضح رہے کہ انسان پر سحر کی تاثیر کے دو وسیلے اس کے جسم میں موجود دو سیال مادے ہیں ایک خون اور دوسرا پانی جن پر اس کی حیات اور حرکات و سکنات کا انحصار ہے اور صحت، قوت عقل سب کچھ ان دو چیزوں سے ہی باقی ہیں۔ ان مادوں میں تبدیلی اور کمی و زیادتی واقع ہوتی رہتی ہے۔ ان کے کیمیائی عمل میں کوئی خاص کمزوری انسانی وجود کو ہلا ڈالتی ہے اور کسی چیز کا دوران رک جائے تو پورے جسم کا توازن بگڑ جاتا ہے اسہال کی زیادتی کی شکل میں پانی جسم سے خارج ہو جاتا ہے۔ قلت خون کے تدارک کے لیے جسم میں خون چڑھانے کی ضرورت پیش آتی ہے۔ شیاطین کو اس کا علم ہوتا ہے کہ ان دو سیالوں پر کن باتوں کے مثبت اور منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں اور جو مقناطیسی قوت ہم لوگوں میں موجود ہے اسی سے انسانی جسم کے سیال پر اثر ڈالا جاتا ہے تاکہ اسے مطلوبہ ضرر پہنچایا جاسکے۔ اسی لیے ہم دیکھتے ہیں کہ بعض انسانوں میں بڑی کشش ہوتی ہے، کسی میں کم اور کسی میں بالکل نہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی شخص کو دیکھتے ہی ہم اس کی طرف کھنچنے لگتے ہیں اور اس کے برعکس کسی کو دیکھتے ہی نفرت کا احساس ہونے لگتا ہے جب کہ اس سے کوئی سابقہ پہلے سے نہیں ہوتا۔ اسی لیے ساحر جب کسی پر سحر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی کوئی نشانی طلب کرتا ہے کیونکہ اس چیز میں مطلوب شخص کے اثرات ضرور منتقل ہو چکے ہوتے ہیں مثلاً پہنا ہوا کپڑا یا بال وغیرہ۔

جارو جا ذرا یہ بتاؤ کہ "شیطان مسحور شخص کے جسم میں داخل کیسے ہوتا ہے"؟

اس پانی میں ایسی جاذبیت ہوتی ہے کہ گویا اس کے ذریعے شیطان کو دعوت طعام دی جاتی ہے۔ عام طور پر تو پیچھے کے راستے سے اور بعض منہ کے راستے سے بھی داخل ہوتے ہیں خاص طور پر ان لوگوں کے جسم میں جو اپنے منہ کی صفائی کرنے میں غفلت برتتے ہوں۔ اور آنکھ کی طرف سے بھی داخلہ ممکن ہے لیکن شیاطین اس راستے سے داخل ہونا زیادہ پسند کرتے ہیں جہاں سے بدبو آتی ہو۔

> جنات کا انسانی آنکھوں سے نظر آنا عموماً ناممکن ہے لیکن بعض استثنائی حالتیں ہیں، جن میں سے ایک یہ ہے کہ کسی پر سحر کر دیا جائے یا کسی کو سحر کیا ہوا پانی پلادیا جائے۔ آپ کو یہ بات یقیناً عجیب اور نئی معلوم ہوں گی لیکن واقعہ یہ ہے کہ مذکورہ حالت میں کسی خیالی وجود کو اس کی عام زندہ شکل و صورت میں دیکھا جانا ممکن ہے۔ بعضوں کو اپنے شکار یا نشانے کو شیطانی اقوال پڑھ کر پھونکا ہوا یا خبیثانہ تعویذ گھولا ہوا پانی پلادینے میں کامیابی مل جاتی ہے۔

"لیکن اس حالت میں انسان کے لیے جن کو دیکھنا کیونکر ممکن ہوتا ہے"؟

یہ سب سحر کے پانی کے زیر اثر ہوتا ہے جس سے انسانی آنکھ میں عام قوت سے زیادہ قوت آجاتی ہے۔ مسحور شخص کی آنکھوں اور دیگر حواس کی حرکت اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

میں نے کہا کہ اس بات کی کچھ اور وضاحت ہو جائے تو بہتر ہے تو اس نے یہ بتایا کہ اس کی ایک مثال اس طرح دی جاسکتی ہے کہ اگر آپ ایک پتھر اٹھا کر زور سے گھما کر اسے پھینکیں تو وہ آنکھوں سے اوجھل ہو جاتا ہے اور دوبارہ اسی وقت نظر آتا ہے جب وہ جاذبیت یا قوت ثقل کے اصول کے تحت زمین پر گرتا ہے کیونکہ جن ذرات سے وہ بنا ہے اس میں لہر کی قوت کم ہو جاتی ہے اور ہمیں یہ معلوم ہی ہے کہ جو کچھ اللہ کی مخلوقات میں سے ہے خواہ وہ انسان ہوں یا حیوان، شجر حجر، نباتات وغیرہ سب ذرات سے بنے ہیں جو ہمیشہ حرکت میں رہتے ہیں اگرچہ چیزوں میں اس حرکت کی رفتار ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ اس کی دوسری مثال یہ بھی ہے کہ جب پنکھا چلتا ہے خصوصاً ہوائی جہاز کا پنکھا تو جوں جوں اس کی رفتار بڑھتی جاتی ہے اس کے پروں کا نظر آنا بند ہو جاتا ہے اور جب اس کا چلنا بند ہوتا ہے تو وہ پر دوبارہ نظر آنے لگتے ہیں۔

سمجھ گیا۔ یعنی کہ تمہارے جسموں کو اللہ نے ایسے ذرات سے تخلیق کیا ہے جو تیز رفتار اور ہلنے والے ہیں۔ جب کہ ہمارے جسم کے ذرات پر سکون ہیں۔ لیکن سحر کا پانی ان ذرات میں غیر معمولی قوت بھر دیتا ہے جس سے ان کی لہر اور حرکت تیز ہو جاتی ہے اور یہیں سے سحر زدہ شخص کے حواس تمہاری اصل شکل کا ادراک کرنے لگتے ہیں۔

جی ہاں بالکل یہی بات ہے۔

اور تم یہ بھی کہنا چاہتے ہو کہ ہم تمہیں تمہاری اصل شکل میں اس لیے دیکھ سن اور چھو نہیں سکتے کیونکہ تم میں موجود ایتھر کا وصف ہے تیز رفتار ارتعاش۔

جی ہاں بس یہ سمجھ لیجیے کہ اس ارتعاش کی سرعت روشنی کی رفتار سے بھی زیادہ ہے جس کی تم لوگ مثال دیتے ہو تو جب عام پتھر کو یا ریوالور کی گولی کو ایسی قوت مل سکتی ہے کہ تمہیں نظر نہ آئے یا اسی طرح جب تک تمہاری نظر کو غیر معمولی قوت حاصل نہ ہو تمہیں ہم نظر نہیں آسکتے۔ سحر کا پانی یہی کام کرتا ہے۔

کوئی بھی مسحور شخص یا جو بھی شخص سحر کا پانی پی لے اس کے لیے تمہیں دیکھنا ممکن ہو جائے گا؟

ایسا نہیں ہے۔ صرف وہی شخص دیکھ سکتا ہے جس کے لیے پانی پر سحر کیا گیا ہو اس غرض سے کہ اس پر شیطان کا تسلط ہو جائے۔ اس کے بعد یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص اپنے ہوش میں آنے کے بعد بھی شیطان کو اس کے اصل بھیس میں دیکھ سکتا ہے۔

اسے مت پڑھیے

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے! خواہشوں کا سلسلہ بڑا لامتناہی ہوتا ہے اور یہ ضروری بھی نہیں ہے کہ ہر آدمی کی ہر خواہش پوری ہی ہو جائے۔ خالی جیب اور خالی پیٹ والوں کی خواہشیں تو جانے دیجئے، امراء اور دولت مند افراد کی بھی خواہشیں کبھی کبھی سینے ہی میں دم توڑ جاتی ہیں۔ جناب اگر کوئی یہ کہے کہ دنیا کے سب سے امیر آدمی کی بھی کم از کم ایک خواہش تو ایسی ہی تھی جو ابھی تک پوری نہیں ہوئی تھی تو شاید آپ چونک پڑیں۔ البتہ گذشتہ دنوں اس کی یہ تمنا بار آور ہوئی اور ایک عرصے سے سینے میں کروٹیں لینے والی آرزو نے عملی جامہ پہنا۔

جناب یہ ذکر ہے سلطان برونئی کا جو دنیا کے سب سے امیر آدمی ہیں۔ ان کی بیٹی کی خواہش تھی کہ وہ زیورچ سے جنیوا تک کا تین گھنٹے کا سفر ایک پرائیویٹ ٹرین سے کریں۔ اس خواہش نے سلطان کو بھی پریشان کر رکھا تھا۔ بالآخر گذشتہ دنوں انہوں نے یہ کارنامہ کر ہی دکھایا۔ انہوں نے ۲۰ ہزار سوئیس فرینک یا ۱۶۱۷۰۰ امریکی ڈالر میں ایک پرائیویٹ ٹرین لی اور سلطان کی بیٹی کے ساتھ ان کے خاندان کے ۴۰ افراد نے "گلاس ٹاپ کار" میں سفر کیا۔ سویٹزرلینڈ کے محکمہ ریلوے کے ایک ترجمان کا کہنا ہے کہ اگر آدمی کے پاس دولت ہو تو ہر چیز ممکن ہے۔

> انہوں نے ۲۰ ہزار سوئیس فرینک یا ۱۶۱۷۰۰ امریکی ڈالر میں ایک پرائیویٹ ٹرین لی اور سلطان کی بیٹی کے ساتھ ان کے خاندان کے ۴۰ افراد نے "گلاس ٹاپ کار" میں سفر کیا۔

سلطان کی خواہش تھی کہ ایک ریگولر ٹرین میں ایک کار جوڑ دی جائے لیکن تکنیکی وجوہات سے ایسا ممکن نہ تھا، لیکن چونکہ پیسہ تھا اس لئے ایک ایسے ریلوے کار کا جس میں بیٹھ کر چاروں طرف کے مناظر کا بھرپور نظارہ کیا جاسکتا ہو اور ایک انجن کا بندوبست دو گھنٹے میں ہو گیا، اور قافلہ جنیوا کے لئے چل پڑا۔

اسلام پسندوں کے خلاف امریکہ، اسرائیل اور فلسطینی حکومت کا مشترکہ آپریشن

حماس کے تعلیمی و طبی اداروں پر حکومت کا قبضہ۔ مکانات کا انہدام اور بڑے پیمانے پر گرفتاریاں

اسرائیل کے خلاف چار شہیدی حملوں کے بعد، جن میں ۵۸ یہودیوں کے ہلاک اور سینکڑوں کے زخمی ہونے کی خبر ہے۔ فلسطینی پولیس اور اسرائیلی فوج حماس کے خلاف جارحانہ کارروائیوں میں مصروف ہیں۔ اسرائیل نے ان حملوں کے بعد فلسطینی دیہاتوں کی ناکہ بندی کردی۔ واضح رہے کہ گاؤں کی "سیکورٹی" اب بھی اسرائیل کے ہاتھ میں ہے۔ صرف شہروں سے اسرائیلی فوج کی واپسی ہوئی ہے۔ مذکورہ ناکہ بندی کے بعد اسرائیلی فوج نے اپنے روایتی انداز میں من مانیاں شروع کردیں۔ جسے چاہا پکڑا اور جسے چاہا ذلیل کیا۔ اب تک اسرائیلی فوج نے سینکڑوں لوگوں کو گرفتار کرلیا ہے۔ اکثر ایسا ہوا کہ پورے گاؤں یا قصبے کے لوگوں کو اپنے گھروں سے نکل کر ایک جگہ جمع ہونے کا حکم دیا گیا اور پھر ان کی تلاشی لی گئی اور انہیں طرح طرح ذلیل کیا گیا۔ فلسطینیوں کے اسرائیل میں داخلے پر پابندی کے نتیجے میں گذشتہ دنوں، فلسطینی بیماروں کی موت بھی واقع ہو گئی کیونکہ اسرائیل نے انہیں اپنے اسپتالوں میں بھرتی کرنے سے روک دیا تھا۔

اسرائیلی فوج نے اتنے ہی پر بس نہیں کیا بلکہ شہیدی حملے کرنے والوں کے رشتہ داروں کے مکانات بلڈوزروں سے زمیں بوس کردیے۔ پورے مغربی کنارے پر کئی دنوں کے لیے کرفیو لگادیا اور اسرائیلی فوج نے گھر گھر کی تلاشی لی۔ حماس سے تعلق رکھنے والے تمام ہی تعلیمی و ثقافتی اور خیراتی ادارے اور میڈیکل کلینک وغیرہ بند کردیے گئے ہیں۔ حماس کے لیڈر یحییٰ عیاش کا مکان بھی منہدم کردیا گیا ہے۔ حبرون کی اسلامی یونیورسٹی پر تالا ڈال دیا گیا ہے اور یروشلم میں واقع ایسے دس اداروں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ اسرائیل حماس کے لیڈروں اور کارکنوں کو ملک بدر کرنے کے بارے میں بھی سوچ رہا ہے۔

فلسطینی پولیس بھی اسرائیل سے پیچھے نہیں رہی ہے۔ اس نے غزہ پٹی میں حماس اور اسلامی جہاد پر نہ صرف پابندی لگادی ہے بلکہ ۶ سو سے زائد افراد کو گرفتار کرلیا ہے۔ اسرائیل نے عرفات سے ۱۳ سرکردہ اسلام پسندوں کی گرفتاری کا بھی مطالبہ کیا ہے جس میں سے فلسطینی پولیس نے اب تک کئی کو گرفتار کرلیا ہے۔ حماس کے کنٹرول والی مسجدوں اور بہت سے خیراتی و تعلیمی اداروں پر قبضہ کرلیا گیا ہے۔ لیکن عرفات کے یہ سب کرنے کے باوجود اسرائیل اور اس کے سرپرست مغربی ممالک اب بھی یہی کہہ رہے ہیں کہ وہ اتنا کچھ نہیں کررہے ہیں جتنا کہ انہیں کرنا چاہیے۔

> حماس سے تعلق رکھنے والے تمام ہی تعلیمی وثقافتی اور خیراتی ادارے اور میڈیکل کلینک وغیرہ بند کردیے گئے ہیں۔

اسرائیل کے اصل سرپرست امریکہ نے اسرائیل کو ۸۰ ایسے ہوائی جہاز فراہم کیے ہیں جو مسلح جانبازوں کے اسرائیل میں داخلے کو روکنے میں مدد دیں گے۔ اس کے علاوہ امریکہ نے سو ملین ڈالر بھی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے لیے دیے ہیں۔ اسرائیل امید ہے اس رقم کو عربوں اور یہودیوں کو ایک دوسرے سے الگ کرنے کے لیے استعمال کرے گا۔

اسرائیل اور فلسطینی پولیس نے امریکہ اور دوسروں کی حمایت سے جو اقدامات کیے ہیں، ان سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس مسئلے کو محض ایک نظم و ضبط کا مسئلہ تصور کررہے ہیں جس کی ناکامی کی وجہ سے ان کے بقول "دہشت گردوں" کو کھل کھیلنے کا موقع ملا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یاسر عرفات نے انتہائی سیکورٹی کے چیف جبریل رجوب کو ان کے عہدے سے ہٹادیا ہے۔ ظاہر ہے اسرائیل اور فلسطینی اتھارٹی دونوں ہی غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ سچائی یہ ہے کہ اصل فلسطینی مسئلہ نام نہاد امن معاہدے کے باوجود حل ہی نہیں ہوا ہے۔

بلاشبہ پی ایل او ایک زمانے سے فلسطینی عوام کی ترجمان رہی ہے جس کے عرفات چیرمین ہیں۔ لیکن پی ایل او ایک جمہوری تنظیم ہے۔ اس کے مقاصد اور طریقہ کار ایک دستور میں درج ہیں۔ عرفات کی غلطی ہے کہ انہوں نے پی ایل او کے سارے جمہوری اداروں کو نظر انداز کرکے اپنی ذاتی خواہش کی تکمیل بلکہ خلیجی جنگ کے دوران اپنی کھوئی ہوئی حیثیت کی از سر نو بحالی کے لیے اسرائیل سے انتہائی جھک کر معاہدہ کرلیا۔ ان کے اس اقدام سے ناراض ہوکر ان کے بہت سے پرانے رفیق ان سے علیحدہ ہوگئے۔

اسلامک ایسوسی ایشن آفس میں پولیس کا چھاپہ: دستاویزات کی چھان بین

پی ایل او میں شامل جارج حبش اور نائف حواتم کے طاقتور گروپ بھی الگ ہوگئے کیونکہ عرفات نے انہیں اعتماد میں نہیں لیا تھا۔ اسی طرح حماس اور اسلامی جہاد کو جو تحریک انتفاضہ کے دوران کافی سرگرم تھے عرفات نے اعتماد میں نہیں لیا۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسرائیل سے جو معاہدہ کیا وہ ان طاقتور گروپوں میں سے کسی کی بھی خواہشات کا ترجمان نہیں ہے۔ حماس کو خاص طور سے شکایت ہے کہ۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کرگیا
ورنہ گلشن میں علاج تنگی داماں بھی تھا

عرفات اور اسرائیل دونوں ہی نے بہر کیف ایک ایسا معاہدہ کرلیا جو بہت سے فلسطینیوں کی تمناؤں کا ترجمان نہیں ہے۔ بلاشبہ تھوڑا بہت جو بھی ملا وہ ان لوگوں کے لیے جو ۲۷ سال سے اسرائیل کے فوجی قبضے کے تحت سخت زندگی بسر کررہے تھے راحت کی سانس کے لیے کافی تھا۔ لیکن اس معاہدے کا ایک مفہوم سب پر واضح ہوگیا۔ وہ یہ کہ وہ فلسطینی جو ۱۹۴۸ء میں اپنے گھروں اور گاؤں سے اسرائیلی دہشت گردی کی وجہ سے نکالے گئے تھے جو آج بھی نام نہاد اسرائیل میں موجود ہیں، اب اپنے گھروں کو کبھی لوٹ نہیں سکتے۔ یہ لوگ آج بھی غازہ پٹی میں اور مغربی کنارے پر بدحال پناہ گزیں کیمپوں میں زندگی بسر کررہے ہیں۔ اسی طرح فلسطینی آبادی کے پچاس فیصد لوگ اردن، شام، لیبیا اور لبنان میں بھی پناہ گزیں ہیں۔ اوسلو معاہدے نے گویا بالواسطہ یہ تسلیم کرلیا ہے کہ ان پناہ گزینوں کو اب اپنے گھروں کو لوٹنے کا حق حاصل نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ پناہ گزیں یاسر عرفات سے خوش نہیں ہیں اور یہی لوگ آج حماس کے زبردست حامی اور اس کے پروگرام کے مطابق اسرائیل پر حملے کررہے ہیں۔

"اس گمان میں بھی نہ رہیں کہ ہم آپکو بخش دیں گے" ۷۱ سالہ ماں کو بیٹیوں کا تحفہ

ایک باعزت گھرانے میں ناز و نعم کے ساتھ پلی بڑھی تین خوبصورت لڑکیاں اکہتر سالہ ماں کی نظر میں اجنبی بن گئی ہیں کیونکہ بیٹیوں نے ماں کو بے گھر کرنے کے لیے اس کے خلاف عدالتی کارروائی کردی۔ رائل نیوی کے ایک لیفٹیننٹ کمانڈر کی بیوی مسز سوانسٹن نے بتایا کہ اب وہ ان لڑکیوں سے دست بردار ہوچکی ہیں کیونکہ میں نے اور میرے شوہر ولی نے ان کی دیکھ بھال اور لاڈ پیار میں کوئی کمی باقی نہیں رکھی اور وہی بیٹیاں مجھے پارک کی بینچ پر بھکارن کی طرح بٹھا کر بھاگ جانا چاہتی ہیں۔

کیا یہی دن دیکھنے کے لئے زندہ رہنا تھا

تیرہ سال سے اس خاندان کے افراد میں مکان کی ملکیت کے مسئلہ پر جھگڑا چل رہا ہے۔ مسز سوانسٹن کی بیٹیاں ولیری ہنزا (عمر پچاس سال) لاریت تال بوٹ (اڑتالیس سال) اور ایلین نکسن (چالیس سال) ۱۹۷۳ میں ولی سوانسٹن کے باپ کی موت کے بعد ان کی وصیت کے مطابق اس گھر کی مالک بنی تھیں۔ ایڈن برگ میں کیمکل فیکٹری چلانے والے جون نے ولی سے ناراضگی کے باعث اپنی وصیت میں ایک شق رکھ دی تھی کہ اس کا بیٹا اپنی بیوی کو لے کر اپنی موت تک اس کے گھر میں رہ سکتا ہے اور اس کے بعد مکان اس کی تین پوتیوں کے حوالے کردیا جائے۔ ولی سوانسٹن ۱۹۹۴ میں ۶۹ سال کی عمر میں فوت ہوگیا۔ شروع میں تو بیٹیوں نے ماں کے ساتھ ہمدردی جتائی اور کہا کہ یہ گھر اس کے مرنے تک اسی کا ہے۔ پھر مارچ ۱۹۹۴ میں ایک بیٹی ایلین نکسن کی طرف سے مسز سوانسٹن کو خط ملا جس میں کہا گیا تھا کہ لڑکیوں کے لئے گھر بیچنے کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ نیز یہ کہ وہ اور اس کا شوہر حال ہی میں جرمنی سے لوٹے ہیں انہیں ۵۰۰ پاونڈ ماہانہ کرایہ برداشت کرنے میں بڑی دقت اٹھانی پڑرہی ہے۔

> ماں نے صرف اتنا ہی کہا کہ میرا ہی خون مجھے کیوں سڑک پر پھینکنے پر تلا ہوا ہے

اس کے پانچ دن بعد مسز سوانسٹن کو ذرا زیادہ رسمی سا خط ملا جس میں گھر خالی کرنے کا نوٹس دیا گیا تھا اور یہ بھی لکھا تھا کہ اس گمان میں نہ رہیں کہ اپنا حق لینے کے لئے ہم ہر ممکن قانونی کارروائی نہیں کریں گے۔

ان تمام باتوں کے باوجود مسز سوانسٹن وہیں پڑی رہیں اور جب یہ خانگی جھگڑا نمٹانے کے لیے معاملہ ایک جج کے سپرد کردیا گیا تو اولڈ ہام کاونٹی عدالت کے جج مارٹن الوی نے دو طرفہ طریقہ کار اختیار کیا کیونکہ انہوں نے اگلی تاریخ تک مقدمے کی سماعت ملتوی کردی اور اس خاندان سے کہا کہ اپنے داخلی جھگڑے ایک ہفتے کے اندر نمٹالیں۔ جج نے خبردار کیا کہ اگر ایسا نہ ہوا اور مقدمہ نے طول کھینچا تو مکان کی نصف قیمت ۲۵۰۰۰ پاؤنڈ سے اوپر والے مقدمات کے قانونی اخراجات کی مد میں ان سے ادا کروالی جائے گی۔ یہ سن کر تینوں لڑکیاں عدالت کے پچھلے دروازے سے بھاگ کھڑی ہوئیں۔ ماں نے صرف اتنا ہی کہا کہ میرا ہی خون مجھے کیوں سڑک پر پھینکنے پر تلا ہوا ہے۔ میں کبھی سمجھ نہیں سکوں گی کہ میری ہی بیٹیاں مجھ سے یہ سلوک کررہی ہیں جب کہ میں نے اور ولی نے ان کے لیے کیا نہیں کیا۔ اگر ولی کو ان تمام واقعات کا علم ہو تو اس کی روح قبر میں کروٹیں بدل رہی ہوگی۔

میں ماں سے مکان لیکر رہوں گی

”اسلامی کٹرواد سے نجات پانے کے لئے عالمی جہاد کا بیڑہ اٹھا لینا چاہیے“

آر ایس ایس کو یہ فکر کھائے جارہی ہے کہ پوری دنیا میں اسلام تیزی سے پھیل رہا ہے

پوری دنیا میں مسلم انقلابیوں کی سرگرمی سے جہاں مغرب حواس باختہ ہے وہیں ہندوستان کو ہندو راشٹر بنانے کا خواب دیکھنے والی یہاں کی ہندو تنظیم آر ایس ایس بھی بوکھلاہٹ کی شکار ہے۔ جس طرح پوری دنیا کا میڈیا اسلام اور مسلم انقلابیوں کے خلاف پروپیگنڈے میں ہمہ تن مصروف رہتا ہے اسی طرح آر ایس ایس کا محکمہ ذرائع ابلاغ بھی گھٹیا پروپیگنڈے کرتا رہتا ہے اور یہ باور کرانے کی کوشش میں لگا رہتا ہے کہ مسلمان نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پوری دنیا میں دہشت گردی پھیلائے ہوئے ہیں۔ آر ایس ایس کا ترجمان پانچ جنیہ اس میں پیش پیش ہے۔ ۱۷ مارچ کے اس کے شمارے میں اسی قسم کا ایک خطرناک مضمون شائع ہوا ہے جس میں مسلم انقلابیوں کی سرگرمی کو دہشت گردی سے جوڑ کر دکھایا گیا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی گئی ہے کہ پوری دنیا میں اسلامی کٹرواد پھیل رہا ہے۔

اس مضمون میں کہا گیا ہے کہ اسلامی کٹرواد کا جال جس منظم انداز میں پوری دنیا میں پھیلایا جارہا ہے وہ خطرناک اشارے کررہا ہے۔

کٹرتا کے اس زہر نے کشمیر کو تو زخمی کرہی دیا ہے۔ امریکہ، یوروپ، افریقہ اور ایشیا کے ممالک میں بھی تشدد کی کارروائیوں سے خوفناک حالات پیدا ہوگئے ہیں، اور پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے پوری دنیا میں اسلامی کٹرواد کو پھیلانے کے لئے ”مرکز دعوت اسلامی“ کی تشکیل کی ہے۔ اس کے سربراہ مولوی ذکی ہیں۔ جو مسلمانوں کے روحانی پیشوا بھی ہیں۔ مولوی ذکی روحانی درس دینے کے بہانے اسلامی کٹرواد کا زہر بھر رہے ہیں کہ ”اللہ کی زمین کو کافروں سے آزاد کرانے کے لئے پوری دنیا میں مہم چھیڑنی ہوگی اور یہی ہماری زندگی کا اولین مقصد ہونا چاہئے۔“ اس ادارے کے مدرس افغانستان، الجزائر اور مصر کے ہیں۔ یہ تمام سرگرمیاں اسلامی موومنٹ کے جھنڈے تلے ہورہی ہیں۔

> کٹرتا کے اس زہر نے کشمیر کو تو زخمی کرہی دیا ہے۔ امریکہ، یوروپ، افریقہ، اور ایشیا کے ممالک میں بھی تشدد کی کاروائیوں سے خوفناک حالات پیدا ہوگئے ہیں، اور پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی نے پوری دنیا میں اسلامی کٹرواد کو پھیلانے کے لئے ”مرکز دعوت اسلامی“ کی تشکیل کی ہے۔

اس ادارے میں ایک ہزار افغان مجاہدین تربیت لے رہے ہیں تربیت کے فوراً بعد انہیں دہشت گردانہ سرگرمیاں شروع کرنے کے لئے مغربی ایشیا اور افریقی ممالک میں بھیج دیا جاتا ہے۔ افریقہ میں اب مسلم کٹرواد کا چیلنج سامنے آنے لگا ہے۔ افریقہ میں پاکستان، سعودی عرب، ترکی اور ایران کٹرتا کو فروغ دے رہے ہیں۔ سوویت روس کے زوال کے بعد اسلامی کٹرواد تیزی سے دنیا میں پھیل رہا ہے۔

نائیجیریا میں زبردست تبدیلی مذہب کراکر کٹرتا کا دائرہ بڑھایا جارہا ہے۔ کئی افریقی ممالک میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اقتدار حاصل کرنے کی سازشیں بھی رچی جارہی ہیں۔ کینیا میں صرف دس فیصد مسلمان ہیں لیکن ایک سال قبل معرض وجود میں آئی اسلامی پارٹی نیروبی میں حکومت سے بلاوجہ لڑائی میں مصروف ہو گئی ہے۔ یوگنڈا میں بھی مسلمان صرف دس فیصد ہیں لیکن وہاں بھی یہ کٹر پنتھی سازشوں کے سہارے اقتدار پر قابض ہونا چاہتے ہیں۔ وہاں کے صدر نے الزام بھی لگایا ہے کہ مسلم کٹر پنتھی ان کا قتل کردینا چاہتے ہیں۔

اسلامی کٹرواد کو فروغ دینے والے ممالک جس ملک میں اسلام کا دبدبہ قائم کرنا چاہتے ہیں اس ملک میں پہلے مسجدوں کی تعمیر کروانے کے لئے بے حساب دولت دیتے ہیں پھر مذہب کا بہانہ بنا کر مدرسے بھی کھولنے لگتے ہیں۔ ان مدارس، مساجد میں ان لوگوں کو تعینات کیا جاتا ہے جو مسلمانوں کو مذہب کا گھول پلا کر ذہن میں نفرت کا زہر بھرتے ہیں۔ اسلامی تعلیم کے فروغ کے لئے ٹنوں کتابیں اور اخبار افریقہ پہنچ رہے ہیں۔

افریقہ میں بڑھتے اسلامی کٹرواد سے ویٹی کن (عیسائیوں کا مرکز) بھی خوفزدہ ہے۔ اس اسلامی کٹرواد کے چیلنجوں کا سامنا کرنے کے لئے ہندوستان کو بیدار ہونے اور پوری دنیا کو ایک مشترکہ جدوجہد چھیڑنے کا بیڑہ بھی اٹھایا جانا چاہئے۔

بی جے پی کے ماڈریٹ لیڈر واجپئی فرماتے ہیں

اردو کو دوسری زبان بنایا تو ہر دفتر میں ایک پاکستان بن جائے گا

اٹل بہاری واجپئی آر ایس ایس اور بی جے پی کے ایک معتدل مزاج اور ماڈریٹ لیڈر کہے جاتے ہیں۔ آج بی جے پی انہیں مستقبل کے وزیر اعظم کے طور پر پیش کرکے جہاں کٹر ہندوؤں کے ووٹ لینے کی کوشش میں ہے وہیں مسلمانوں کے ووٹ پر بھی ڈاکہ ڈالنے کا منصوبہ بنا رہی ہے۔ واجپئی کا چہرہ اکثر و بیشتر پیش کرکے مسلمانوں میں بھی گھس پیٹھ بنانے کی کوشش کی جاتی ہے مسلم معاملات پر واجپئی سے بلوایا جاتا ہے اور جب کسی مسلم معاملے پر وضاحت یا صفائی دینی ہوتی ہے تب بھی انہیں کی خدمات لی جاتی ہیں۔ لیکن واجپئی کتنے معتدل اور ماڈریٹ ہیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ آر ایس ایس اور بی جے پی کا کوئی بھی لیڈر خواہ کتنا ہی معتدل کیوں نہ ہوجائے اس کی مسلم دشمن ذہنیت میں تبدیلی نہیں آسکتی۔ پارلیمنٹ میں اٹل بہاری واجپئی کی تقریروں پر مشتمل ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کا نام ہے ”اٹل بہاری واجپئی: سنسد میں تین دشک - یعنی اٹل بہاری واجپئی: پارلیمنٹ میں تین دہائی۔ اس کتاب میں اردو، مسلم یونیورسٹی اور وندے ماترم پر واجپئی کی تقریروں کے اقتباسات بھی ہیں۔ یہ تقریر ۲۹ مارچ ۱۹۷۳ کو پارلیمنٹ میں کی گئی ہے۔ ذیل میں اس کا خلاصہ پیش کیا جارہا ہے:—

اردو کو سرکاری زبان بنانے کا سوال اتنا آسان نہیں ہے۔ دوسرے یہ کہ سرکاری زبان بنانے کے مطالبے کے پیچھے فرقہ وارانہ وجوہات ہیں اور علاحدگی پسندی کی سیاست کام کررہی ہے۔ آپ کو دوسری زبان بنانے کے لئے ایک قانون بنانا پڑے گا۔ کسی ریاست میں کون سی زبان بولنے والے کتنے فیصد ہیں۔ تب اسے سرکاری زبان کا درجہ دیا جائے۔ یہ آپ کو طے کرنا پڑے گا، صرف اردو کا سوال نہیں ہے۔ آسام میں بنگلہ کا سوال ہے، پنجاب میں ہندی کا سوال ہے۔ میری گذارش ہے کہ اردو کو جن وجوہات سے تحریک کا موضوع بنایا جارہا ہے! اس میں اردو کی ترقی کے جذبات نہیں ہیں اردو کے جھنڈے تلے سب مسلمانوں کو یکجا کرنے اور تقسیم سے قبل کی مسلم لیگی سیاست کو زندہ کرنے کے جذبات کام کررہے ہیں۔ ہم اس سے اختلاف کرتے ہیں۔ ہمارا کہنا ہے کہ اگر آپ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ کریں گے تو ہر دفتر میں ایک چھوٹا پاکستان بن جائے گا۔

میں جاننا چاہتا ہوں کہ آج ملک کا فرقہ وارانہ ماحول کیوں خراب ہو رہا ہے۔ آج مسلمانوں میں سے ایک طبقہ ایسا کیوں نکل رہا ہے جو بمبئی میں کھڑے ہوکر کہتا ہے کہ ہم وندے ماترم گانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ وندے ماترم اسلام مخالف ہے۔ کیا اسلام کو ماننے والے جب نماز پڑھتے ہیں تو اس ملک کی زمین پر سر نہیں ٹیکتے۔ بمبئی میں فساد اس وقت شروع ہوا جب اردو مدارس کے طلبہ نے ۲۶ جنوری کو وندے ماترم کہے جانے پر کھڑے ہونے سے انکار کردیا۔ کل یہ کہیں گے کہ ترنگا جھنڈا ہے مگر ہم اس کے آگے نہیں جھکیں گے۔ کیونکہ ہم اللہ کے آگے جھکتے ہیں۔ ہندوستان میں رہنے والے ہر آدمی کو ترنگے کے آگے جھکنا پڑے گا۔

اب علی گڑھ کا معاملہ لایا جارہا ہے، میں جاننا چاہتا ہوں کہ علی گڑھ کو لیکر کیا ہنگامہ مچایا جارہا ہے۔ پورے ملک میں، کہا جارہا کہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا اقلیتی کردار محفوظ ہونا چاہئے۔ کیا مطلب ہے مسلم کیرکٹر کا؟ مسلمان صرف ہندوستان میں نہیں ہیں۔ مسلمان بنگلہ دیش میں ہیں، مسلمان دنیا کے اور ممالک میں ہیں۔ کیا ان سب کی یونیورسٹیوں کا کیرکٹر ایک ہی ہوگا؟ یونیورسٹی جس مٹی پر بنی ہے اس کا رنگ اس پر چڑھے گا ہی۔ یونیورسٹی جس معاشرے میں کام کرے گی اس کی خواہشوں کی نمائندگی کرے گی ہی۔

ایک ہندی صحافی کا خوف - ہندو راشٹر پر داؤد کا سایہ

”کٹھمنڈو میں واقع شاہی محل کی طرف ایک راستہ جاتا ہے جس کا نام ہے دربار مارگ، پانچ سال قبل اس راستے پر پرندے پر بھی نہیں مار سکتے تھے۔ اب جمعہ کو یہ راستہ نمازیوں کی وجہ سے مسدود ہوجاتا ہے، تیزی سے بڑھتی مسلم آبادی اور پاک جاسوسوں کی سرگرمی نے اس چھوٹے سے ملک کو شکوک و شبہات کے حصار میں جکڑ لیا ہے۔“

الہ آباد سے شائع ہونے والے پندرہ روزہ ہندی رسالہ ”مایا“ نے ۱۵ مارچ کے اپنے شمارے میں نیپال سے متعلق ایک رپورٹ شائع کی ہے۔ رپورٹ کا عنوان ہے ”ہندو راشٹر پر داؤد کا سایہ“ مذکورہ اقتباس اسی رپورٹ کا ایک حصہ ہے۔ اس رپورٹ میں باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے کہ نیپال جیسے ہندو ملک میں مسلم آبادی بہت تیزی سے بڑھ رہی ہے اس میں داؤد ابراہیم اور پاکستانی خفیہ تنظیم آئی ایس آئی کا ہاتھ ہے۔ رپورٹ میں نیپال میں واقع مدارس و مساجد کے تعلق سے انتہائی توہین آمیز زبان استعمال کی گئی ہے۔ بقول رپورٹر نیپال میں مسلم آبادی ۴.۲ فیصد ہے لیکن اس آبادی کو اس نے ہوا بنا کر پیش کیا ہے

اس رسالہ کے رپورٹر نے اس رپورٹ میں جو زبان استعمال کی ہے اور بین السطور میں جو مفاہیم پنہاں ہیں ان سے ایسا لگتا ہے کہ وہ کسی سیکولر ملک کے سیکولر رسالے کا سیکولر رپورٹر نہ ہو کر کسی ہندو ملک کے ہندو رسالے کا کوئی خالص ہندو رپورٹر ہے۔ نیپال میں مسلمانوں کی سرگرمیوں اور ان کی مذہبی تقریبات سے ہندو نیپال کو وہاں کے بادشاہ کو یا وزیر اعظم کو اتنی تشویش نہیں ہوگی جتنی کہ اس رپورٹر کو ہے۔ نیپال کے مختلف شہروں اور قصبوں میں واقع مساجد و اسلامی مدارس کے خلاف ہندوستان اور نیپال کی حکومتوں میں نفرت کے بیج بونے کے لئے اس نے اس پورے معاملے کو داؤد ابراہیم کے تانے بانے میں لپیٹ کر پیش کیا ہے۔ نیپال میں مبینہ دراندازی کو اس طرح اٹھایا گیا ہے جیسے ہندوستان میں نام نہاد بنگلہ دیشی دراندازی کو اٹھایا جاتا ہے۔

دربار مارگ کی مسجد — فرقہ پرستوں کی آنکھ کی شہتیر

اسرائیل کے ہاتھوں بار بار تباہ ہونے والے شہر شرم الشیخ میں مغرب کا ایک اور ڈرامہ

دہشت گرد اسرائیل کو دہشت گردی سے بچانے کے لئے دہشت گردی مخالف کانفرنس

۱۳ اپریل بروز بدھ مصر کے شہر شرم الشیخ میں نام نہاد امن کانفرنس میں توقع کے مطابق ۳۰ ممالک کے سربراہوں یا نمائندوں نے شرکت کی جن میں بل کلنٹن، بورس یلتسن، شاہ حسین، حسنی مبارک یاسر عرفات وغیر شامل تھے۔ کانفرنس میں یوروپی یونین کے نمائندوں کے علاوہ بہت سے عرب ممالک کے وفود نے بھی شرکت کی۔

شرم الشیخ بحر احمر کے کنارے ایک چھوٹا سا مصری شہر ہے اور سیاحوں کی آماجگاہ بھی۔ یہ شہر ایک مدت تک اسرائیلی دہشت گردی کا نشانہ بنا رہا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ اسی شرم الشیخ کا انتخاب دہشت گرد اسرائیل کو "دہشت گردی" سے بچانے کے لیے ایک نام نہاد امن کانفرنس کے لیے کیا گیا۔

شرم الشیخ امن کانفرنس میں توقع کے مطابق دہشت گردی کی مذمت کی گئی۔ براہ راست اور بالواسطہ ایران اور سوڈان کی تنقید ہوئی کیونکہ امریکہ اور اس کے ہمنواؤں کے نزدیک یہ دونوں ممالک دہشت گردوں کے حامی ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر اسرائیل کی حمایت کی گئی۔ کیونکہ اسی مقصد کے لیے کانفرنس بلائی گئی تھی۔ اگرچہ کہا یہ گیا کہ خطرات سے دوچار امن کے تسلسل کو قائم و برقرار رکھنا کانفرنس کا اصل مقصد تھا۔

اس نام نہاد امن کانفرنس سے صرف اسرائیل کا فائدہ ہوا ہے۔ اسے ایک طرح سے ان عرب ممالک نے بھی تسلیم کرلیا ہے جو اس سے ربط و ضبط کے لیے دل سے اب بھی تیار نہیں ہیں۔ مثلاً سعودی عرب جسے غالباً اپنے حلیفوں کے دباؤ کی وجہ سے شرم الشیخ اپنے وزیر خارجہ کو بھیجنا پڑا۔ یہ کہنا بھی بہرحال مشکل ہے کہ اس کانفرنس میں شرکت سے فی الواقع سعودی۔ اسرائیل تعلقات میں گرمجوشی آجائے گی۔

ایک مبصر کے مطابق شرم الشیخ میں عربوں کی شرکت سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ انہیں فلسطینیوں کے حقوق سے زیادہ دہشت گردی کا خوف متحد کرتا ہے۔ ایک دوسرے تبصرہ نگار نے علاقے کی بدلتی ہوئی صورتحال کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ عرب اتحاد سالمیت کے نعرے بے معنی ہو کر رہ گئے ہیں اور عرب لیگ اپنی اہمیت و افادیت کھو چکی ہے۔ اب مغربی ایشیا میں ایک نیا نظام رائج ہے جس میں اسرائیل کو اہم مقام حاصل ہے۔ ایک اور مبصر کا کہنا ہے کہ اسرائیل کو گویا عرب معاملات میں مداخلت کا حق دے دیا گیا ہے۔ اس کانفرنس میں اسرائیل کے ساتھ عربوں کی شرکت سے اسرائیل کو جو سیاسی اعتبار حاصل ہوا ہے اسے امریکہ اور یوروپ میں بھی محسوس کیا گیا ہے۔ بعض امریکی ترجمانوں نے تو اس کا برملا اعتراف بھی کیا ہے۔

لیکن ایسا نہیں ہے کہ تمام عربوں نے اسے من و عن قبول کرلیا ہے۔ ایک اردنی کالم نویس کے مطابق عرب لیڈر جو کچھ کررہے ہیں، عرب عوام ابھی اس کے لیے تیار نہیں ہیں۔ شام نے نہ صرف اس نام نہاد امن کانفرنس کا بائیکاٹ کیا بلکہ اسی کے ساتھ یہ مطالبہ بھی کیا کہ میڈرڈ امن کانفرنس کے انداز پر ایک دوسری کانفرنس منعقد کی جائے تاکہ عرب اسرائیل تنازعے کو ایک وسیع پس منظر میں دیکھ کر اسے اس طرح حل کیا جائے جو سب کے لیے قابل قبول ہو۔ واضح رہے کہ شام ایک متحدہ عرب نقطہ نظر کا حامی رہا ہے جسے پہلے عرفات اور پھر شاہ حسین نے سبوتاژ کردیا۔

عرفات، یلتسن، حسنی مبارک، بل کلنٹن، اور شمعون پیریز کانفرنس کے دوران ایک گروپ فوٹو کھینچواتے ہوئے

شام کی کمیونسٹ پارٹی نے، جو حکمراں بعث پارٹی کی شریک اقتدار ہے، شرم الشیخ کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد روس و امریکہ کے آئندہ انتخابات میں بورس یلتسن اور صدر کلنٹن کی مدد تو کرنا ہے ہی اسی کے ساتھ شمعون پیریز کی گرتی ہوئی سیاسی ساکھ کو بھی سنبھالنا مقصود ہے۔ نظریاتی اختلاف کے باوجود شامی کمیونسٹ پارٹی کا تجزیہ کافی حد تک درست ہے۔

شام کی کمیونسٹ پارٹی نے، جو حکمراں بعث پارٹی کی شریک اقتدار ہے شرم الشیخ کانفرنس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد روس و امریکہ کے آئندہ انتخابات میں بورس یلتسن اور صدر کلنٹن کی مدد تو کرنا ہے ہی اسی کے ساتھ شمعون پیریز کی گرتی ہوئی سیاسی ساکھ کو بھی سنبھالنا مقصود ہے۔

یہ سچ ہے کہ حالیہ شہیدی بم دھماکوں کے بعد اسرائیل میں ایک قسم کا سیاسی بھونچال سا آگیا ہے۔ آئندہ مئی میں وہاں عام انتخابات ہونے والے ہیں۔ ان دھماکوں سے قبل شمعون پیریز کو جنہیں امریکہ کی پشت پناہی حاصل ہے اپنے مخالفین پر سبقت حاصل تھی مگر اب صورتحال بدل گئی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق اگر دو چار دھماکے اور ہوجائیں تو اگلا انتخاب لڑنا درکنار شمعون کو شاید اپنے عہدے سے استعفاء بھی دینا پڑجائے۔

شمعون امریکی اسکیم میں مغربی ایشیا کے لیے کافی اہم ہیں۔ وہ ان عربوں کے لیے بھی اہم ہیں جو امریکہ کی سرپرستی میں اپنے اقتدار سے چمٹے رہنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسرائیلی لیڈر کی مصیبت کے وقت یہ تمام لوگ متحد ہو کر اس کی حمایت کررہے ہیں۔ لیبیا کے لیڈر معمر قذافی بعض مبصرین کے مطابق "خبطی" ہی کیوں نہ ہوں، اسرائیل کے تئیں موجودہ عالمی و عرب ہمدردی پر ان کی یہ طنزیہ تنقید بھرپور ہے۔ "دنیا اس وقت خاموش تھی جب عربوں کو ذبح کیا جارہا تھا لیکن چند درجن اسرائیلی کیا مرے کہ جیسے جہنم کا دروازہ کھل گیا۔"

اس نام نہاد امن کانفرنس سے صرف اسرائیل کا فائدہ ہوا ہے۔ اسے ایک طرح سے ان عرب ممالک نے بھی تسلیم کرلیا ہے جو اس سے ربط و ضبط کے لیے دل سے اب بھی تیار نہیں ہیں۔

ائمہ کی تنخواہوں پر ہنگامہ پجاریوں کے پنشن کا خیر مقدم

آر ایس ایس، بی جے پی، وشو ہندو پریشد اور بجرنگ دل کے لیڈران گلا پھاڑ پھاڑ کر چیختے ہیں کہ حکومت مسلمانوں کی ناز برداری اور تشٹی کرن کرتی ہے اور ان کے مطالبات کو تسلیم کرکے مذہبی کاموں میں خود کو ملوث کرتی ہے۔ گذشتہ دنوں ائمہ کی تنخواہوں کو لیکر بھی اسی قسم کی باتیں کہی جارہی تھیں۔ اس سے قطع نظر کہ ائمہ کو حکومت کی طرف سے تنخواہ دینا اور ائمہ کا ان سے لینا کہاں تک درست ہے؟ سنگھ پریوار نے اس معاملے کو لیکر کافی شور شرابہ مچایا تھا لیکن دوسری طرف جب کوئی وزیر اعلیٰ پجاریوں کو پنشن دینے کا اعلان کرتا ہے اور ان کے تمام مذہبی مطالبات کو تسلیم کرلیتا ہے تو اس کا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور اسے انتہائی رحم دل وزیر اعلیٰ کا خطاب دیا جاتا ہے۔

ابھی گذشتہ دنوں مدراس میں پجاریوں کا ایک کنونشن ہوا تھا جس میں ذرائع کے مطابق چالیس ہزار پجاریوں نے شرکت کی۔ جس میں وشو ہندو پریشد کے کارگزار صدر اشوک سنگھل سمیت کئی مٹھوں کے مہنتوں نے بھی شرکت کی۔ اس میں تین سو خاتون پجاریوں نے بھی حصہ لیا۔ اس کنونشن کا افتتاح وزیر اعلیٰ تمل ناڈو جے للتا نے کیا۔ انہوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں پجاریوں کے تمام مطالبات کو فی الفور تسلیم کرلیا جن میں پجاریوں کو ۴۰۰ روپے ماہانہ پنشن اور کسی پجاری کی موت پر اس کے پسماندگان کو دس ہزار روپے معاوضہ دینا قابل ذکر ہے۔ اس موقع پر شنکر آچاریہ جیندر سرسوتی نے جے للتا کی تعریفوں کے پل باندھ دیے اور کہا کہ ان دنوں لیڈران کھلے عام مذہبی اور ثقافتی سرگرمیوں میں حصہ لے رہے ہیں اور اب ہندو مخالف تحریکوں کی بنیاد ٹوٹ چکی ہے۔

جے للتا نے اس پر اپنا ردعمل ظاہر کرتے ہوئے جوش و جذبات سے مغلوب ہو کر کہا کہ مجھ جیسے ایک چھوٹے فرد کے لئے کانچی کے شنکر آچاریہ نے جو تعریف کی اسے میں اپنی زندگی کا سب سے بڑا انعام مانتی ہوں۔

دراصل جے للتا پہلے سے ہی مندروں اور مٹھوں کی سرکاری سرپرستی کررہی ہیں لیکن ان کے اس کام کو ہندوؤں کا تشٹی کرن یا ناز برداری کا نام نہیں دیا جاتا اور اس سرکاری کارروائی کو جواز عطا کر دیا جاتا ہے۔

پجاریوں کا کنونشن اور انسیٹ میں جے للتا

بقیہ: عالمی کرکٹ میں سری لنکا کی بادشاہت

رہا ہوگا۔ نتیجہ میں ایڈن گارڈن کے اس سیمی فائنل سے ہندوستانی کرکٹ کو وہ دھچکا پہنچا ہے جس کی بازگشت کافی عرصہ تک ہندوستان کا تعاقب کرتی رہے گی۔

اس ٹورنامنٹ میں ایک اور حیرت انگیز واقعہ ہوا۔ انتہائی غیر معروف اور کرکٹ سے نا آشنا کینیا کے کھلاڑیوں نے اپنی زبردست صلاحیتوں کا لوہا منواتے ہوئے ویسٹ انڈیز جیسی دو بار کی عالمی چیمپئن کو ایسی کراری شکست دی کہ اسے اس ٹورنامنٹ کا اگر سنسنی خیز اور حیرت انگیز واقعہ قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یوں تو ہندوستان نے بھی ۱۹۸۳ء میں ویسٹ انڈیز کو فائنل میں ہرا کر سب کو انگشت بدنداں کردیا تھا لیکن ہندوستان کی اس وقت بھی ٹسٹ کرکٹ میں وہی پوزیشن تھی جو آج ہے۔ وہ ٹسٹ میچوں میں ویسٹ انڈیز کو ہرا بھی چکی تھی لیکن کینیا کی ٹیم تو اپنا پہلا ورلڈ کپ کھیل رہی تھی وہ بھی آئی سی سی ایسوسی ایٹ ممبر کی حیثیت سے۔ حالانکہ ہالینڈ، یو اے ای اور ہندوستانی اے ٹیم کے خلاف کینیا نے ماضی میں اچھے کھیل کا مظاہرہ کیا تھا لیکن یہ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ ویسٹ انڈیز کو بھی نہ صرف ہرا دے گی بلکہ اسے ۱۰۰ کا ہندسہ بھی پار نہ کرنے دے گی۔ اور جس ٹیم میں بے شمار عالمی ریکارڈ قائم کرنے والا برائن لارا جیسا بلے باز ہو اسے ۱۰۰ سے بھی کم رنز پر آؤٹ کردینا کوئی مذاق نہیں ہے۔ تاہم کینیا نے اس ٹورنامنٹ میں اپنی کارکردگی سے ثابت کردیا کہ اگلے چند برسوں میں وہ بھی سری لنکا کا روپ دھار لے گی۔

جوں جوں ورلڈ کپ آگے بڑھتا گیا ویسے ویسے عجیب و غریب نتائج سامنے آتے چلے گئے۔ جنوبی افریقہ جسے اس کپ کا مضبوط دعویدار سمجھا جارہا تھا کوارٹر فائنل میں ایک ایسی ٹیم سے ہار گیا جس کا ماضی بڑا تابناک تھا لیکن حال اس کے کھلاڑیوں کے رنگ سے مشابہ تھا۔ اس طرح یہ ٹورنامنٹ اگر کچھ کپتانوں کو بے پناہ کامیابیوں کی نوید سنا گیا تو ہندوستانی اور پاکستانی کپتانوں کے لیے بھیانک خواب ثابت ہوا۔ اظہر کے قد آدم پوسٹروں کو جوتوں کا ہار پہنایا گیا اور لاہور میں اکرم کے مکان پر پتھراؤ کیا گیا۔ دونوں ملکوں کے کھلاڑیوں کی اس قدر تذلیل کی گئی کہ اب ان کا مورال اتنا ڈاؤن ہوچکا ہے کہ شاید وہ سنگاپور اور پھر شارجہ ٹورنامنٹ تک بحال نہ ہوسکے اور یہ دونوں ٹورنامنٹ سر پر ہیں۔ ایک طرف محمد اظہر الدین کی کپتانی کو خطرہ لاحق ہوگیا ہے تو دوسری جانب منوج پربھاکر، ونود کامبلی اور سنجے منجریکر کا کیریر داؤ پر لگ گیا ہے ادھر سرحد کے اس پار بھی زبردست بے چینی پائی جارہی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ دونوں ملکوں کی ٹیمیں اس ورلڈ کپ کی تلخ یادوں سے چھٹکارا پاکر اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کرسکیں گی یا سنگاپور اور شارجہ ٹورنامنٹ ان دونوں کو ہی سرد خانے میں پہنچا دے گا۔

شاہی جوڑے کی بے راہ روی نے مغرب کے خوبصور…

آسودہ نظر آنے والا مغربی معاشرہ ذہنی و روحانی بے اطمین…

۲۹ جولائی ۱۹۸۱ء کا دن ۔ پورا لندن خوبصورت دلہن کی طرح سجا ہوا ۔ دنیا جہاں کے سیاح اور خود انگلینڈ کے کونے کونے سے لوگ یہاں جمع ہیں ۔ ایک سو سے زائد ممالک کے صدور ، وزراء اعظم ، شاہان سلامت اور والیان ریاست بھی خصوصیت سے بلائے گئے ہیں ۔ اور یہ سارا اہتمام جس مقصد کے لیے ہوا ہے اسے ہمیشہ کے لیے یادگار بنانے اور اسے اقصائے عالم میں چہار جانب پہونچانے کے لیے پوری دنیا کا میڈیا بھی امنڈ آیا ہے ۔ اس دن برطانیہ کے ولیعہد پرنس چارلس اور شہزادی ڈیانا کی شادی ہے ۔

یہ شادی جس شان و شوکت سے ہوئی تھی اسے بیان کرنے کے لیے اخبار نویسوں کے پاس الفاظ کم پڑ گئے تھے ۔ کسی نے خوب کہا تھا کہ یہ اس صدی کی شادی ہے ۔ یہ واقعہ ہے کہ اس دھوم دھام سے نہ ۱۹۸۱ء سے پہلے کوئی شادی ہوئی تھی نہ اب تک ہوئی اور نہ آئندہ چار سالوں میں شاید ایسا ممکن ہو ۔

لیکن جس شان و شوکت سے یہ شادی ہوئی تھی اب اس سے بھی زیادہ دھوم دھام سے اس کا جنازہ نکل رہا ہے ۔ ۱۴ سال بعد شہزادی ڈیانا جنہیں میڈیا کے سامنے آتے ہوئے شرم آتی تھی ، اب اس قدر بدل گئی ہیں کہ وہ اسی میڈیا کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر رہی ہیں ۔ آج انہیں پتہ چلا کہ ان کے خوابوں کا شہزادہ حقیقی دنیا میں ایک معمولی انسان سے زیادہ نہیں ہے ۔ پرنس چارلس کو بھی اب اندازہ ہوا ہے کہ شرم و حیا کا پیکر ان کے دل کی شہزادی خوابوں میں نظر آنے والی معصوم سی گڑیا نہیں بلکہ سڑکوں اور بازاروں میں نظر آنے والی کسی بھی عورت کی طرح ایک عام سی عورت ہے ۔ لیکن سب سے بڑی بات یہ ہے کہ عام آدمی پر بھی اب یہ منکشف ہو گیا ہے کہ بظاہر بلندیوں پر نظر آنے والے شہزادے اور شہزادی کس قدر اخلاقی پستیوں میں گرے ہوئے ہیں ۔ دونوں نے ہی ایک سال کے وقفے میں ایک دوسرے سے بیوفائی اور غیر مرد و زن سے جنسی تعلق کا اعتراف کر لیا ہے ۔ اب انجام یہ نکلا ہے کہ پریوں کی کہانی جیسی شادی طلاق کے قانونی مرحلوں سے گزر رہی ہے ۔

لیڈی ڈاینا اپنے دونوں بیٹوں کے ہمراہ : شاید انہیں نہیں معلوم کہ والدین کے عادات و اطوار کا بچوں پر بھی اثر پڑتا ہے

برطانوی یا مغربی سماج میں شادی اور طلاق کوئی معمولی واقعہ نہیں ہیں ۔ صنعتی انقلاب اور جدیدیت کے فروغ کے بعد مرد و زن کا انحصار ایک دوسرے پر کم ہو گیا ہے اور پورا خاندانی نظام بکھر گیا ہے ۔ بلاشبہ مغرب میں تیسری دنیا کے مقابلے میں دولت کی ریل پیل ہے ، عوام کی بھاری اکثریت معاشی اعتبار سے خوشحال ہے ، صاف ستھرے گھر ، لوگ پاک صاف کپڑوں میں ملبوس ، خوبصورت بازاروں اور کلبوں میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں ۔ بظاہر آسودہ ، مطمئن اور خوشحال ، لیکن اندر سے بکھرے ہوئے ، ٹوٹے ہوئے جن کا ذہنی و روحانی سکون غارت ہو گیا ہے ۔ اول تو اکثریت اب شادی میں یقین ہی نہیں رکھتی ۔ نوجوان لڑکے لڑکیاں ایک ساتھ رہتے اور وہ سب کچھ کرتے ہیں جو شوہر و بیوی کے درمیان جائز ہے ۔ ایسے تعلقات اکثر ٹوٹتے

کھیل کھیل میں سیاسی انتقام لینے کی بے نظیر چال

تحریر: سہیل انجم

ولس ورلڈ کپ کے کوارٹر فائنل میں ہندوستان کے ہاتھوں پاکستان کی اور سیمی فائنل میں سری لنکا کے ہاتھوں ہندوستان کی شکست بظاہر یکساں نوعیت کے واقعات ہیں لیکن اثرات و امکانات کے اعتبار سے دونوں میں زبردست تضاد ہے ۔ پہلی شکست کے اثرات پاکستان میں پڑے اور اب بھی پڑ رہے ہیں جبکہ دوسری شکست کے اثرات ہندوستان میں پڑے اور ختم ہو گئے ۔ ہندوستان نے اپنی شکست کو جہاں محض کھیل کے میدان تک ہی محدود رکھا وہیں پاکستان نے اسے چھکا مار کر میدان سے باہر نکال دیا ہے ۔ ہندوستان میں اپنی شکست پر کوئی تنازعہ پیدا نہیں ہوا جب کہ پاکستانی ٹیم کی شکست پر وہاں زبردست تنازعہ کھڑا ہو گیا ہے

اس شمارے کی قیمت پانچ روپے
سالانہ چندہ ایک سو روپے / چالیس امریکی ڈالر
یکے از مطبوعات
مسلم میڈیا ٹرسٹ
پرنٹر پبلیشر ، ایڈیٹر محمد احمد سعید نے
تیج پریس بہادر شاہ ظفر مارگ سے چھپوا کر
دفتر ملی ٹائمز انٹرنیشنل
49، ابوالفضل انکلیو
جامعہ نگر ، نئی دہلی ۔ 110025 سے شائع کیا
فون نمبر 6827018 ۔۔ 6926030
سری نگر بذریعہ ہوائی جہاز ساڑھے پانچ روپے

بے نظیر عمران کو سیاسی فاتح نہیں بننے دیں گی

اور اس تنازعہ پر کھیل کا رنگ چڑھانے کے بجائے سیاست کا رنگ و روغن پوت دیا گیا ہے ۔ ہندوستان میں اگر شرمندگی اور ندامت ہے تو شکست پر نہیں بلکہ ایڈن گارڈن میں ہوئے ان واقعات پر ہے جن کی وجہ سے ہندوستان پوری دنیا میں رسوا ہو گیا اور اہل کلکتہ نے ہندوستان کے چہرے پر سیاہی مل دی ۔ لیکن پاکستان میں ہندوستان کے ہاتھوں اپنی شکست پر نہ صرف ندامت و شرمندگی ہے بلکہ غم و غصہ بھی ہے اور اب تو اسے سیاسی انتقام کے حربے کے طور پر اپنا لیا گیا ہے اور انتقام بھی اس شخص سے لینے کی کوشش کی جا رہی ہے جس نے کرکٹ کے میدان میں پاکستان کا جھنڈا پوری دنیا میں بلند کیا اور اب جو کرکٹ سے ریٹائر ہو چکا ہے ۔

قارئین نے پچھلے شمارے میں پڑھا ہوگا کہ بے نظیر کس طرح عمران سے انتقام لینے کی کوشش کر رہی ہیں ۔ انہوں نے پاکستان ٹی وی پر عمران کے اسپتال کے لئے چندہ کی اپیل پر پابندی لگانے کے علاوہ بھی کئی اقدامات کئے اور عمران نے ڈیانا کا دورہ کروا کر بے نظیر کے نہلے پر دہلہ مار دیا تھا ۔ لیکن اب حالات نے ایک اور پلٹا کھایا ہے اور گیند بے نظیر کے کورٹ میں آگئی ہے ۔ پاکستانی ٹیم کی شکست کو کھیل کے جذبے سے لینے کے بجائے عمران سے انتقام لینے کے طور پر استعمال کیا جا رہا ہے ۔ بے نظیر نے اس کے لئے ایک ایسا شخص منتخب کیا ہے جو دنیائے کرکٹ میں عمران کا مخالف رہا ہے اور جسے بے نظیر نے کھیلوں کا مشیر مقرر کر رکھا ہے ۔

سرفراز نواز اور عمران خان کی آپسی مخالفت کسی سے پوشیدہ نہیں ہے ۔ شاید اسی وجہ سے بے نظیر نے سرفراز کو حکومت کا کھیل مشیر بنا رکھا ہے وہ سرفراز کے ہاتھوں عمران کے پر کتروانے کی کوشش میں ہیں ۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ اگر معاملہ زیادہ آگے بڑھا تو بے نظیر عمران کے خلاف کوئی انتہائی قدم بھی اٹھا سکتی ہیں ۔ حالانکہ ابھی پچھلے دنوں انہوں نے بیان دیا تھا کہ انہیں سیاست میں عمران کی آمد سے کوئی خطرہ نہیں ہے اور عمران کو سیاست میں آنے کی دعوت بھی انہوں نے دی تھی لیکن سیاسی مبصرین اور پاکستانی معاملات کے ماہرین کا خیال ہے کہ یہ بے نظیر کا ایک سیاسی بیان تھا ۔ حقیقت تو یہ ہے کہ انہیں عمران کی سیاست میں متوقع آمد سے زبردست خطرہ محسوس ہو رہا ہے ۔ اور اس خطرے کو وہ وقت سے پہلے ہی اپنے راستے سے ہٹا دینا چاہتی ہیں ۔

سیاسی پنڈتوں کا کہنا ہے کہ پاکستانی ٹیم کی شکست کی انکوائری کا کام سرفراز نواز کے ہاتھ میں دینے کے پیچھے بے نظیر کی ایک گہری چال ہے ۔ بے نظیر کا مقصد وسیم اکرم یا کسی دوسرے کھلاڑی کو سزا دینا نہیں بلکہ عمران کو سبق سکھانا ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انکوائری سے قبل اس معاملے کو خوب طول دیا جا رہا ہے اور کرکٹ ٹیم کی شکست کو میدان جنگ میں ہندوستان کے ہاتھوں پاکستان کی شکست سے تعبیر کیا جا رہا ہے ۔ ایسے الزامی بیانات بھی دلوائے جا رہے ہیں جن سے وسیم اکرم اور عمران خان کے گرد شکوک و شبہات کے دائرے تنگ ہو جائیں ۔ پاکستان میں کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ وسیم اکرم آخری لمحے تک کہتے رہے کہ وہ فٹ ہیں اور کھیلیں گے لیکن آخر میں وہ نہیں کھیلے ۔ بیماری کا انہوں نے بہانہ بنایا اور جان بوجھ کر پاکستان کو ہروایا ۔ کچھ لوگوں کا الزام ہے کہ کھلاڑیوں کو رشوتیں دی گئیں ۔ ایک طبقہ سوال کرتا ہے کہ پاکستانی اننگ کی شروعات بہت اچھی تھی لیکن اس کے بعد کے کھلاڑی کیوں ڈھیر ہو گئے ۔ ان کا خیال ہے کہ یہ منصوبہ بند تھا ۔ اسی درمیان ایک سابق کھلاڑی نے یہ کہہ کر کہ وہ رشوت لیکر اور سٹہ بازوں سے

> ان الزامات میں کہاں تک صداقت ہے اس کا پتہ تو منصفانہ جانچ کے بعد ہی چل پائے گا لیکن اتنا تو طے ہے کہ اس طرح بے نظیر کو عمران سے انتقام لینے کا ایک حربہ مل گیا ہے اور وہ اس حربے کے سہارے عمران کو سیاسی میدان میں کھیلنے اور اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑنے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کریں گی ۔ یہ وقت بتائے گا کہ اس میدان میں جیت کس کی ہوگی عمران کی یا بے نظیر کی ؟

باقی صفحہ ۱۲ پر

صورت چہرے سے نقاب نوچ کر پھینک دی

ے اطمینانی اور اندرونی ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے

ھرتے رہتے ہیں۔ لیکن کچھ شادی کے پہلے ماں اپ بن جاتے اور پھر شادی رچالیتے ہیں۔ بلاشبہ چھ لوگ ماں باپ بننے سے قبل بھی شادیاں رتے ہیں لیکن کسی بھی طرح ہونے والی شادی ں سے کامیاب بہت کم ہوتی ہیں۔ آئے دن لاقیں ہوتی اور خاندان درہم برہم ہوتے رہتے یں۔

لیکن برطانیہ کا شاہی خاندان اور ان کی ادیوں کا معاملہ ذرا دوسرا ہے۔ برطانیہ کے گ اپنے شاہی خاندان سے بڑی عقیدت رکھتے یں۔ اس خاندان کی باتیں اساطیری کہانیوں کی رح کہی اور سنی جاتی ہیں۔ برطانوی عوام اپنی نفرادی و خاندانی زندگی میں چاہے جیسے بھی ہوں یکن اپنے شاہی خاندان اور اس کے شہزادے ور شہزادیوں سے مثالی اخلاق و کردار کی امید کھتے ہیں۔ اس خاندان کو وہ اپنے قومی تشخص اور سلسل کی علامت تصور کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ہ وہ اس خاندان سے مثالی طرز حیات و عمل کی توقع رکھتے ہیں۔ بد قسمتی سے شاہی خاندان کی نئی نسل اپنے عوام کی توقعات پر پانی پھیر رہی ہے۔ آج کے برطانوی شہزادے اور شہزادیاں جنسی اسکینڈل میں ملوث ہیں جس سے ان کی ازدواجی زندگی بری طرح ٹوٹ پھوٹ رہی ہے۔

بلاشبہ ملکہ برطانیہ اور انکے شوہر پرنس فلپ اب بھی مثالی ازدواجی زندگی بسر کررہے ہیں اور پورے برطانیہ میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں کیونکہ اپنی پوری ازدواجی زندگی میں وہ اسی طرح وفادار ہیں جس کی توقع برطانوی عوام ان سے کرتے ہیں۔ لیکن ان کی اولاد ان کے اصولوں سے منحرف نظر آتی ہے۔ پرنسز این، جو بچوں کے لیے خیراتی کاموں کی وجہ سے ساری دنیا میں مشہور ہیں، اپنے پہلے شوہر کی بے وفائی کے بعد ان سے طلاق لیکر دوسری شادی کرچکی ہیں۔ خود شہزادی این پر بھی الزام ہے کہ وہ دودھ کی دھلی ہوئی نہیں ہیں۔ ملکہ برطانیہ کے دوسرے بیٹے شہزادہ اینڈریو ایک خوبرو فوجی آفیسر ہیں۔ آج تک ان کے بارے میں سننے میں نہیں آیا کہ وہ بھی کسی جنسی اسکینڈل میں ملوث ہیں۔ لیکن ان کی بیوی نے بہرحال ان سے بے وفائی کی جس کی وجہ سے دونوں کے درمیان ابھی طلاق تو واقع نہیں ہوئی ہے لیکن دونوں ایک دوسرے سے الگ رہنے لگے ہیں۔ ملکہ کے تیسرے بیٹے نے ابھی تک شادی نہیں کی ہے۔ لیکن اپنے زمانہ طالب علمی میں وہ بھی کافی اوباشی کرچکے ہیں۔ بعض اخبار نویسوں نے تو ان پر ایک بار ہم جنسی اور بد فعلی کا الزام عائد کیا تھا۔ جہاں تک ملکہ کے چوتھے بیٹے اور بہو کا تعلق ہے یعنی پرنس چارلس اور شہزادی ڈیانا تو ان کے الیسے کا علم سارے سنسار کو ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا شہزادی ڈیانا اور پرنس چارلس کی شادی ۱۹۸۱ء میں ہوئی۔ اس وقت شہزادی ۲۰ اور چارلس ۳۴ سال کے تھے۔ ۱۹۸۲ اور ۱۹۸۴" میں یکے بعد دیگرے ان کے دو بچے ہوئے۔ بظاہر یہ خاندان آسودہ حال زندگی بسر کررہا تھا۔ چارلس اور ڈیانا کی جوڑی پوری دنیا میں مشہور تھی۔ دنیا کے فوٹو گرافر ان دونوں کی تلاش میں رہتے اور خاص طور سے شہزادی ڈیانا کی تصویر لینے کے لئے بیتاب رہتے۔ غالباً شہزادی ڈیانا آج وہ خاتون ہیں جن کا دنیا میں سب سے زیادہ فوٹو لیا گیا ہوگا۔ یہ جوڑی جہاں بھی جاتی ان کا شاندار استقبال ہوتا۔ اہل برطانیہ اسے اپنی قدیم شاہانہ روایات کا ایک اعلیٰ نمونہ کہتے اور فخریہ لوگوں کے سامنے اسے پیش کرتے۔ دنیا والے بھی اس کامیاب خوبصورت جوڑے کو دیکھ کر دانتوں تلے انگلیاں دبالیتے۔

لیکن بظاہر کامیاب اور آسودہ حال نظر آنے والے چارلس اور ڈیانا اندر سے ٹوٹے ہوئے تھے۔ ۱۹۹۰ء کے آس پاس اس طرح کی خبریں عام ہونے لگیں کہ دونوں کی ازدواجی زندگی میں ایک طوفان بپا ہے۔ اخبار والے اب ان کے پیچھے پڑگئے۔ ان کی ایک ایک حرکت اور ایک ایک قدم کی تاک میں رہتے۔ یہاں تک کہ ان کے ٹیلی فون بھی ٹیپ کرتے اور بالآخر یہ ثابت کرنے میں کامیاب ہوگئے کہ دونوں ہی ایک دوسرے سے بے وفائی کررہے ہیں۔ خود چارلس اور ڈیانا نے پہلے یہ اعتراف کیا کہ ان کی ازدواجی زندگی سے سکون غائب ہوچکا ہے۔ پہلے چارلس نے ۱۹۹۴ء میں ایک ٹیلی ویژن انٹرویو میں ایک غیر عورت سے اپنے جنسی تعلق کا اعتراف کیا اور پھر نومبر ۱۹۹۵ء میں ڈیانا نے بھی ایک غیر مرد سے تعلق کا اعتراف کرلیا۔ ماں باپ کے زنا کاری کے اعتراف نے ان کے دونوں بیٹوں کے ذہن پر کافی اثر ڈالا۔ ملکہ کا بڑا پوتا پرنس ولیم خاص طور سے ذہنی اضطراب میں مبتلا ہوگیا اور اپنی دادی کی گود میں سر دے کر

باقی صـ۱۲ـ پر

> مغرب میں تیسری دنیا کے مقابلے میں دولت کی ریل پیل ہے، عوام کی بھاری اکثریت معاشی اعتبار سے خوشحال ہے، صاف ستھرے گھر، لوگ پاک صاف کپڑوں میں ملبوس، خوبصورت بازاروں اور کلبوں میں گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ بظاہر آسودہ، مطمئن اور خوشحال، لیکن اندر سے بکھرے ہوئے، ٹوٹے ہوئے جن کا ذہنی و روحانی سکون غارت ہوگیا ہے۔

تسلیمہ نسرین۔ رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے

رسی جل گئی مگر بل نہیں گئے۔ یہ مقولہ بنگلہ دیشی مصنفہ تسلیمہ نسرین پر پوری طرح صادق آتا ہے۔ بنگلہ دیش سے خفیہ طریقے سے سویڈن کے لئے فرار ہوتے وقت ان کے دل میں مغرب اور مغربی اقدار سے بڑی محبت رہی ہوگی اور انہیں یہ گمان بھی رہا ہوگا کہ سویڈن پہنچتے ہی لوگ انہیں ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔ ملعون رشدی کی مانند ان کی شہرت بھی پوری دنیا میں پھیل جائے گی اور انہیں بھی مسلح باڈی گارڈوں کے جھرمٹ میں آمدورفت کا سنہری موقع مل جائے گا۔ پوری دنیا کے اخبارات ان کی نگارشات اور ان کے انٹرویوز شائع کریں گے اور راتوں رات وہ عالمی شہرت یافتہ مصنفہ بن جائیں گی۔

مگر ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا۔ نہ مغرب نے اپنایا نہ ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نہ بین الاقوامی اخبارات نے ان پر اپنے صفحات خرچ کئے اور نہ ہی مسلح محافظوں کا کوئی جھرمٹ ملا۔ یہاں تک کہ وہ تنہائی کی زندگی بسر کرتے کرتے اکتا گئیں اور کچھ معاشی پریشانیوں نے بھی گھیرنا شروع کردیا۔ انہیں ایک راستہ یہ سجھائی دیا کہ اپنے بھائی کو بلوالیں۔ بالآخر ان کا بھائی "کوبیر" ان کے پاس چلا گیا۔ آج کل وہ سویڈن سے جرمنی چلی آئی ہیں اور وہیں ان کے بھائی نے اپنا بزنس شروع کردیا ہے۔ ان سب کے باوجود تسلیمہ کے ذریں خیالات میں ذرا بھی تبدیلی نہیں آئی ہے اور اسلام و مسلمانوں کو وہ اب بھی اسی بیہودہ انداز میں یاد کرتی ہیں جس انداز کی وجہ سے انہیں اپنا ملک چھوڑ کر غریب الوطنی کی زندگی پر مجبور ہونا پڑا۔

دہلی سے شائع ہونے والے انگریزی رسالہ "آوٹ لک" کے نمائندے نے ان سے برلن میں ملاقات کی اور ان کے انٹرویو کو ایک کہانی کی شکل میں شائع کیا۔ تسلیمہ نسرین اب اور زیادہ مغرب پرست ہوگئی ہیں لیکن ساتھ ہی بنگلہ دیش یا ہندوستان آنے کے لئے کڑھتی رہتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ بنیاد پرستوں کی مخالف نہیں ہیں بلکہ " منظم مذہب " کی مخالف ہیں اور " بری طاقتوں " کے خلاف لڑنا چاہتی ہیں۔ اسلامی دانش گاہوں کو وہ بنیاد پرستوں کے کارخانے بتاتی ہیں اور انسانی حقوق کی سرکاری و غیر سرکاری تنظیموں سے مطالبہ کرتی ہیں کہ وہ ان مدارس کی امداد بند کردیں۔ ذرا ان کے عزائم دیکھئے۔ کہتی ہیں کہ اگر مجھے موقع ملے تو میں پوری دنیا سے مذہبی قوانین کو ختم کرکے جدید سیکولر قوانین نافذ کردوں۔ بنگلہ دیش میں مجھے اسلام کے خلاف بولنے کی آزادی نہیں تھی۔ کتنا پچھڑا ہوا ہے ہمارا معاشرہ۔ میرا عقیدہ ہے کہ کہیں بھی مذہبی قوانین یا منظم مذہب نہیں ہونا چاہئے اسے ذاتی نوعیت کی چیز قرار دے دینی چاہئے۔ مذہب کو سیاست اور حکومتوں سے جدا کردینا چاہئے۔

تسلیمہ نسرین: برلن کے ایک بازار میں

تسلیمہ نسرین ان مغربی دانشوروں کو بھی لعن طعن کرتی ہیں جو اسلام کی ستائش کرتے ہیں۔ وہ اسلامی دانشور انا ماری شمل کو امن ایوارڈ دیے جانے پر مغربی ججوں کی ایک جیوری کو بھی ہدف تنقید بناتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ انا ماری شمل جیسی اسلامی دانشوروں کا خیر مقدم نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ اسلامی ممالک میں عورتوں کو آزادی حاصل نہیں ہے۔ "میں سمجھتی ہوں کہ اسلام میں ایسی کوئی چیز نہیں ہے کہ اس کی تعریف کی جائے۔ اسلام میں عورتوں کو حقوق حاصل ہی نہیں ہیں۔ وہ تو خواتین مخالف مذہب ہے۔"

تسلیمہ نسرین ذہنی طور پر دیوالیہ ہوگئی ہیں اسی لئے مستقبل کے بارے میں ان کی کوئی پلاننگ نہیں ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ میں کیا کروں گی کیسے کروں گی کچھ کہہ نہیں سکتی میں لکھنا چاہتی ہوں لیکن لکھ نہیں پارہی ہوں۔ مجھے اپنے وطن کی بہت یاد آتی ہے اور چونکہ وہاں بنیاد پرستوں کو عروج حاصل ہے اس لئے میں وہاں نہیں جاسکتی ۔ میں نے ہندوستان سے دوبار کہا کہ مجھے ویزا دے دو میں ہندوستان جانا چاہتی ہوں۔ کلکتہ بنگلہ دیش سے متصل ہے میں وہاں سے اپنے ملک کی خوشبو سونگھ لوں گی لیکن ہندوستانی حکومت بھی جو خود کو سیکولر کہتی ہے، مسلم بنیاد پرستوں سے ڈرتی ہے۔ اسے خوف ہے کہ اگر اس نے مجھے ویزا دیا تو الیکشن میں اسے مسلمانوں کا ووٹ نہیں ملے گا۔ میں نے ابھی طے نہیں کیا ہے کہ آئندہ کیا کروں گی۔ ابھی میں اس ذہنی اذیت سے نہیں نکل پائی ہوں جو مجھے بنگلہ دیش چھوڑنے سے قبل جھیلنی پڑی تھی۔

وہ کہتی ہیں کہ اب تسلیمہ کو کوئی تسلیم نہیں کرے گا۔ شاید یہ اشارہ کسی مرد کی جانب ہے۔ ممکن ہے کہ وہ صحیح سوچ رہی ہوں۔ کیونکہ اس سے قبل دو مردوں کو چھوڑ چکی ہیں۔ انہیں مردوں کا زیادہ تجربہ ہوگا۔ کیا ان کی بہکی بہکی باتوں کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی تو نہیں ہے۔

بہرحال جو بھی ہو ہمارا خیال ہے کہ ان کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے اور ان کا علاج شاید کسی ذہنی اسپتال ہی میں ہوسکے۔

مغربی صحافیوں کی آنکھوں پر اسلام دشمنی کی عینک کب تک لگی رہے گی

مغربی پریس اسلامی خطرے کا ہوا دکھا کر ٹکراؤ کی فضا بنانا چاہتا ہے

ایک اندازے کے مطابق پورے یوروپ میں مسلمانوں کی تعداد، ملین کے قریب ہے۔ اسی طرح امریکہ میں مسلمان تقریبا چھ ملین یعنی ۶۰ لاکھ ہیں۔ صرف برطانیہ میں ۱۵ لاکھ سے زائد مسلمان پائے جاتے ہیں۔ امریکہ اور یوروپ کے کئی ممالک میں اسلام عیسائیت کے بعد دوسرا بڑا مذہب ہے۔ فرانس اور جرمنی میں ایک ایک ہزار سے زائد مسجدیں ہیں جہاں مسلمان نمازیں ادا کرتے ہیں۔ اس طرح مسلمان ایک مدت سے یوروپ و امریکہ کے عیسائی و یہودی باشندوں کے پڑوسی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مغرب کا پریس بالعموم اسلام مخالف ہے۔

برطانیہ کے ساتویں امیر شخص کی بیٹی جمیمہ گولڈ اسمتھ نے جب عمران خاں سے شادی کی تو برطانیہ کے سنجیدہ و غیر سنجیدہ تمام ہی اخبارات نے نسل پرستانہ اور اسلام مخالف مضامین لکھے۔ حال ہی میں ایک کم عمر انگریز لڑکی نے ایک ترک مسلم سے شادی کرلی تو اس پر بھی برطانوی اخبارات نے اسلام دشمنی و نسل پرستی کا خوب خوب مظاہرہ کیا۔ اسی اسلام دشمنی کا نتیجہ ہے کہ اکثر یوروپی و امریکی حکومتیں اخبارات کو اپنے ناپسندیدہ مسلم لیڈروں کے خلاف استعمال کرتی ہیں۔

فلسطینی نژاد اہل قلم ایڈورڈ سعید اور پاکستانی دانشور اکبر صلاح الدین احمد نے اپنی مختلف کتابوں میں مغربی پریس کی اندھی اسلام دشمنی سے پردہ اٹھایا ہے۔ ماہرین کے مطابق مغرب کی مسلم دشمنی، جس کا اظہار ان کے اخبارات و رسائل سے ہوتا ہے، تین وجہوں سے ہے۔ یہ اسباب تاریخی، مذہبی اور ثقافتی نوعیت کے ہیں۔

صدر اسلام سے اسلام و عیسائیت کے درمیان ایک کشمکش سی رہی ہے۔ اسلام کے آغاز کے کچھ سالوں کے بعد اسلام اور عیسائی دنیا کے مابین جنگیں شروع ہوئیں اور رومن امپائر کو پے در پے شکستیں ہوئیں۔ عرب فتوحات کی کئی صدیوں بعد یوروپ نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف صلیبی جنگوں کا آغاز کیا۔ شروع میں انہیں کافی کامیابیاں ملیں لیکن پھر انہیں شکست کا منھ دیکھنا پڑا۔ اس کے بعد عثمانی ترکوں کا عروج شروع ہوا اور انہوں نے مشرقی یوروپ کے بیشتر علاقوں پر قبضہ کرلیا۔ ۱۷ویں صدی کے اواخر میں یوروپ نے جوابی کارروائی کی اور ۱۹ویں صدی میں اکثر مسلم ممالک پر بالواسطہ یا براہ راست قبضہ کرلیا۔ اس قبضے کے خلاف سوڈان سے لیکر سو تک مسلمان اٹھ کھڑے ہوئے چنانچہ جنگ عظیم ثانی کے بعد استعماری طاقتوں کو شکست دیکر تقریبا تمام ہی مسلم ممالک آزاد ہوگئے۔ بہت سے امریکی و یوروپی مفکر اسلام اور مغرب کے درمیان ان تاریخی جنگوں کی تشریح اس طرح کرتے ہیں کہ یہ دو تہذیبوں کا تصادم تھا جو اب بھی جاری ہے۔ ایک امریکی پروفیسر سموئیل ہنٹنگٹن اس نظریے کے اصل حامی ہیں۔ نامور یہودی تاریخ نویس برنارڈ لیوس بھی اسی خیال کے حامی ہیں۔ ان اہل قلم کے خیالات سے متاثر امریکی و یوروپی، جن میں سیاستداں بھی شامل ہیں یہ کہتے ہیں کہ کمیونزم کے زوال کے بعد اب اسلام اور عیسائی دنیا کے مابین ٹکراؤ لازمی ہے۔
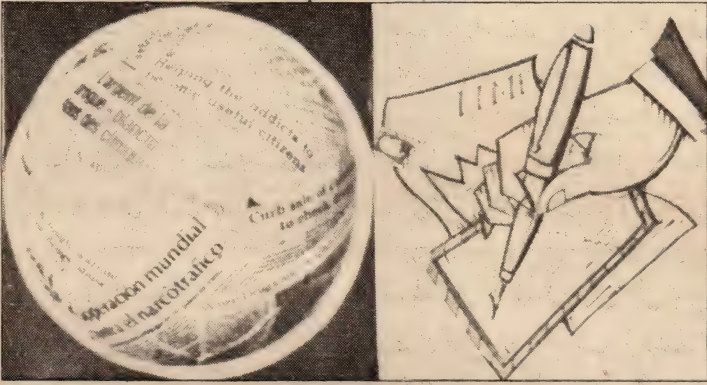
ان دو جزئی واقعات کی جہاں کئی صحافیوں نے غیر جانبدارانہ رپورٹنگ کی وہیں ایسے بے شمار تھے جو نسل پرستانہ ریمارک سے باز نہیں رہے۔ اس لئے یہ بات اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ مغربی پریس بنیادی طور سے اسلام دشمن اور مسلم مخالف ہے۔

لیکن مغرب ہی کے بعض دانشور ہنٹنگٹن کے نظریے کے سخت مخالف ہیں۔ ایک ایسے ہی اہل قلم پروفیسر فریڈ ہالی ڈے ہیں جنہوں نے حال ہی میں ایک کتاب لکھ کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ اسلام اور مسلم ممالک اپنی موجودہ گئی گزری حالت میں مغربی دنیا کے لئے کوئی خطرہ نہیں ہیں۔ اور جو لوگ اس اسلامی خطرے کا ہوا کھڑا کر رہے ہیں وہ بلاوجہ تصادم کا ماحول اور خوف کی نفسیات پیدا کرنے میں مصروف ہیں۔

ایڈورڈ سعید کا خیال ہے کہ مغربی پریس پر ان سفید فام پروٹسٹینٹ عیسائیوں کا قبضہ ہے جو اینگلو سیکسن نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض نقاد ایسے صحافیوں کو غیر حساس سفید فاموں کا جھنڈ کہتے ہیں۔ یہ صحافی سعید کے بقول نسل پرست اور اسلام دشمن ہیں۔ اور یہی لوگ چھوٹے موٹے واقعات کو اس طرح بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں کہ خوف و دہشت کا ماحول قائم رہے۔

بعض مغربی دانشوروں کا خیال ہے کہ مغربی پریس لازمی طور پر مسلم دشمن نہیں ہے اگر ایسا ہوتا تو فلسطینی انتفاضہ اور بوسنیا کے بحران کی رپورٹنگ وہ اس انداز سے نہ کرتے کہ مسلمان مظلوم نظر آتے۔ ان دانشوروں کے بقول مغربی پریس دراصل سنسنی خیزی کا عادی ہے۔ اسی کے ساتھ وہ اپنے اخبارات کی اشاعت بڑھانے کے لئے خون خرابے کی خبروں کو زیادہ اہمیت دیتا ہے۔ انتفاضہ اور بوسنیائی بحران کے مظلوم ان کی اس اسکیم میں فٹ اترتے تھے اس لئے یہ سوچے بغیر کہ وہ مسلمان ہیں، انہوں نے ان کے مصائب کو شاہ سرخیوں کے ذریعہ ساری دنیا میں عام کردیا۔

سعید اور ان جیسے دوسرے دانشوروں کا کہنا ہے کہ بعض صحافیوں کے ذریعہ بوسنیا اور فلسطین کے مسلمانوں کے مصائب کو جزئی طور سے اجاگر کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پورا مغربی پریس نسل پرست نہیں ہے۔ ان دو جزئی واقعات کی جہاں کئی صحافیوں نے غیر جانبدارانہ رپورٹنگ کی وہیں ایسے بے شمار تھے جو نسل پرستانہ ریمارک سے باز نہیں رہے۔ اس لئے یہ بات اپنی جگہ قائم رہتی ہے کہ مغربی پریس بنیادی طور سے اسلام دشمن اور مسلم مخالف ہے۔

بقیہ: شاہی جوڑے کی بے راہ روی

ملکہ پہلے ہی اپنے بیٹے اور بہو کی حرکتوں سے برطانیہ میں شہنشاہیت کے مستقبل کے تعلق سے پریشان تھیں۔ ان دونوں کی زنا کاری کے کھلم کھلا اعتراف سے اپنے پوتوں کی صحت پر برا اثر پڑتے دیکھا تو آخری قدم اٹھانے پر مجبور ہو گئیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے اور بہو سے جلد از جلد طلاق کا مطالبہ کردیا۔ چارلس نے اسے فورا قبول کرلیا۔ لیکن شہزادی ڈیانا نے قبول کرنے سے پہلے بہت سے مطالبے رکھے جن میں تین خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔ اول یہ کہ انہیں ان کے بیٹوں سے ملنے کی ہمیشہ اجازت ہوگی اور وہ ہمیشہ ان کی ماں کہی جائیں گی۔ دوم یہ کہ مستقبل میں بھی وہ شہزادی ہی کہی جائیں گی۔ اور تیسرے یہ کہ ان کی موجودہ شاہانہ زندگی کے معیار کو قائم کرنے کے لیے جس بھاری رقم کی ضرورت ہے وہ ان کو دی جائے۔ دوسری شرط یا مطالبے کو چھوڑ کر شاہی خاندان ہر بات ماننے کو تیار نظر آتا ہے۔ حال ہی میں ڈیانا نے چارلس سے تنہائی میں ملاقات کی۔ اس کے بعد شہزادی نے اعلان کیا کہ وہ طلاق کے لئے آمادہ ہوگئے ہیں۔ شہزادی نے یہ بھی کہا کہ وہ آئندہ بھی ہمیشہ کی طرح ویلسز کی شہزادی کہی جائیں گی۔ لیکن شاہی خاندان نے اس کے بعد ایک بیان جاری کرکے کہا کہ ڈیانا کے القاب کے بارے میں فیصلہ بعد میں کیا جائے گا۔

شہزادی ڈیانا بڑی شان و شوکت سے زندگی بسر کرنے کی عادی ہیں۔ اخبار آبزرور نے ان کے سالانہ خرچ کا اندازہ لگایا ہے۔ شہزادی کو اپنے اسٹاف پر خرچ کے لیے ۳ لاکھ پونڈ کی ضرورت ہوگی۔ ایک لاکھ ۶۶ ہزار پونڈ سجنے دھجنے کے لئے، تین لاکھ کچھ پونڈ کپڑوں کے لئے ۱۰۰ ہزار پونڈ خوبصورتی کے لئے ۱۰۰ ہزار پونڈ صحت کے لئے، آٹھ ہزار پونڈ جوتوں وغیرہ کے لئے ۲۱۰ ہزار پونڈ کاروں اور ۱۷ ہزار پونڈ گھر پر دعوت و مہمان نوازی کے لئے۔ یہ کل ۸ لاکھ پونڈ سے زیادہ ہوتا ہے۔ لیکن ایک دوسرے اندازے کے مطابق شہزادی کا سالانہ خرچ اس سے ذرا کم ہے یعنی کل ساڑھے سات لاکھ پونڈ۔ اس خرچ کو پورا کرنے کے لئے شہزادہ چارلس ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ کا سرمایہ لگائیں گے جس سے شہزادی کا سالانہ خرچ پورا ہوتا رہے گا۔ ایک ذریعے کے مطابق چارلس طلاق کے لئے یہ سب کچھ برداشت کرنے کو تیار ہیں۔ ایک دوسرے ذریعے کا کہنا ہے کہ شہزادہ کے پاس اتنی دولت ہے ہی نہیں۔

سب سے اہم بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ شہزادی کو ازدواجی زندگی کے ٹوٹنے کا غم نہیں ہے۔ مبصرین کے مطابق بچوں سے لگاؤ کے اظہار کا مقصد محض لوگوں کی ہمدردی حاصل کرنا ہے۔ ورنہ انہیں دلچسپی بس اس سے ہے کہ طلاق کے بعد بھی وہ اپنے پرانے شاہانہ ٹھاٹ باٹ کو برقرار رکھ سکیں۔

رتھ یاترا نائیں نائیں فش

کے خلاف بیان دلوایا تھا وہ بی جے پی میں بھی شامل ہوگئے تھے لیکن بی جے پی سے مستعفی ہوکر اور یہ بیان دیکر کہ ان سے زبردستی جھوٹا بیان دلوایا گیا تھا، انہوں نے بی جے پی کے سوراخ شدہ غبارے میں مزید سوراخ کردیا اور اس کی ہوا تیزی سے نکلنے لگی ہے۔ حوالہ معاملے میں بی جے پی کی مہم بری طرح ناکام ہوگئی ہے۔ کہیں انتخابی میدان بی جے پی کے لئے شمشان گھاٹ نہ بن جائے اور رام رام کا نعرہ لگانے والے "رام رام ستیہ ہے" کا نعرہ لگانے پر مجبور نہ ہوجائیں۔

بقیہ: اب کشمیریوں پر مظالم کے پہاڑ مسلح دستے نہیں

چلتے لوگوں کی جامہ تلاشی لے کر ان سے نقدی چھین لینا اور اغوا برائے تاوان جیسے "کارنامے" سرانجام دینا ان لوگوں کے خاص کام ہیں۔ شکایت کرنے پر ان لوگوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جاتی۔ بہت سارے مقامات پر "سرکاری ملی ٹنٹوں" کی دہشت گردی سے تنگ آکر لوگوں نے پولیس تھانوں میں جاکر ایف۔ آئی۔ آر درج کرانے کی کوشش کی لیکن انہیں اس وقت مایوسی ہوئی جو پولیس اہلکاروں نے قتل، آتشزنی اور لوٹ مار جیسے سنگین جرائم پر بھی ایف۔ آئی۔ آر درج کرنے سے صاف انکار کردیا۔ یہی حال فوج کا بھی ہے۔ کشمیر میں جگہ جگہ فوجی کیمپ لگے ہوئے ہیں لیکن حکومت نواز مسلح دہشت گردوں کی زیادتیوں کے خلاف جب لوگ فوجی حکام سے مدد طلب کرتے ہیں تو ان سے کہا جاتا ہے کہ چوں کہ یہ مسلح کشمیری نوجوان وزارت داخلہ کے ماتحت کام کررہے ہیں، لہذا فوج ان کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرسکتی۔

سرکار کے چھوڑے ہوئے ہند نواز جنگجو اس قدر سرگرم ہیں کہ عام لوگوں کا جینا دوبھر ہوگیا ہے۔ بارڈر سیکورٹی فورس (بی۔ ایس۔ ایف) سینٹرل ریزرو پولیس فورس (سی۔ آر۔ پی۔ ایف) اور باقاعدہ فوج کے مختلف یونٹ کشمیریوں پر ان دنوں خود تو زیادہ ظلم نہیں ڈھارہے ہیں، لیکن اپنے ہی ایجنٹوں کے ذریعے ہورہے بے پناہ ظلم و ستم کے خاموش تماشائی بن کر مشاہدہ کررہے ہیں بلکہ لطف اٹھارہے ہیں۔

سرکاری سطح پر بارہا اس امر کی تردید ہوتی رہی کہ ان ہند نواز عناصر کو سرکاری سرپرستی حاصل ہے، لیکن عملی طور پر عوام کے سامنے جو کچھ آرہا ہے، وہ سرکاری دعووں کا مذاق اڑانے کے لئے کافی ہے۔ سرکاری ذرائع ابلاغ (ریڈیو کشمیر سری نگر اور دور درشن کیندر سری نگر) پر دن رات عسکری تنظیموں، بالخصوص اسلام پسند اور پاکستان نواز تنظیموں کے خلاف پروپیگنڈا ہوتا رہتا ہے، لیکن شیرازی اور دیگر ہند نواز بندوق برداروں کی تنظیموں کی آئے دن تشہیر کی جاتی ہے۔ حال ہی میں ڈیڑھ سو سے زائد قتل میں ملوث ککہ پرے کو ریڈیو کشمیر کی خبروں میں "کشمیر کا مشہور صوفی شاعر" قرار دیا گیا، حالانکہ حقیقت صرف یہ ہے کہ پرے محض ایک گائیک ہے اور پڑھنے لکھنے سے قاصر ہے۔

برطانوی جیلوں میں سینکڑوں قیدی مشرف بہ اسلام ہوگئے

تنہائی میں غور و خوض کے مواقع اور مبلغین کی کاوشوں نے قیدیوں کو اسلام سے قریب کردیا

ڈیریس گیبی لندن کے پنٹن ویلے جیل میں انشورنس فراڈ کے لیے جیل کی سزا کاٹ رہے تھے۔ یہاں ان کی ملاقات بعض ایسے لوگوں سے ہوئی جو اسلام کی اشاعت میں مصروف ہیں۔ بالاخر ان کا دل نور ایمان سے منور ہوگیا اور وہ مشرف بہ اسلام ہوکر مائک ٹائسن اور مالکم ایکس کی صف میں شامل ہوگئے جنہیں جیل میں اسلام قبول کرنے کا شرف حاصل ہے۔

ڈیریس گیبی تنہا نہیں ہے۔ امام اور مبلغ شیخ جنہ صالح کے مطابق صرف گذشتہ سال برکسٹن میں ۳۰ افراد نے اسلام قبول کیا۔ انکا دعوی ہے کہ گذشتہ دس سالوں میں، جب سے وہ یہاں کام کررہے ہیں، کئی سو افراد نے اسلام قبول کیا ہے۔

برطانیہ کی جیلوں میں قیدیوں کے لئے اخبارات اور کتابیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھاکر وہاں بے شمار تعداد میں قرآن شریف اور دوسری مذہبی کتابیں ارسال کردی گئی ہیں۔ اسی طرح تمام ہی مذاہب کے نمائندوں کو جیل میں جاکر قیدیوں کے سامنے تقریر کرنے یا ان سے فردا فردا گفتگو کرنے کی سہولت بھی حاصل ہے۔ اہل اسلام اس سہولت سے کافی فائدہ اٹھارہے ہیں اور قیدیوں کے درمیان اشاعت اسلام میں مصروف ہیں۔

ایک امام صاحب کا، جو جیلوں میں ایک مدت سے قیدیوں میں اسلام پھیلانے میں مصروف ہیں، کہنا ہے کہ جیل کی تنہائی میں قیدیوں کو یہ سوچنے کا موقع ملتا ہے کہ زندگی کا مقصد و مفہوم کیا ہے اور یہ کہ خدا ہے بھی یا نہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ ایسے قیدیوں کے سامنے ہم اسلام کو ایک ایسے مذہب کے طور پر پیش کرتے ہیں جو امید سے پر ہے۔ ہم ان کے اندر خود اعتمادی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہم انہیں مجرم نہیں بلکہ انسان تصور کرتے ہیں۔ اور انہیں احساس دلاتے ہیں کہ ان کا خدا ان کی توبہ ہر آن سننے کے لیے تیار ہے۔ انہیں یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ سچے دل سے توبہ کرنے والا بالکل ایسا ہی ہے جیسے وہ از سر نو زندگی کا آغاز کررہا ہے۔

> برطانیہ کی جیلوں میں قیدیوں کے لئے اخبارات اور کتابیں فراہم کی جاتی ہیں۔ اس سہولت سے فائدہ اٹھاکر وہاں بے شمار تعداد میں قرآن شریف اور دوسری مذہبی کتابیں ارسال کردی گئی ہیں۔ اہل اسلام اس سہولت سے کافی فائدہ اٹھارہے ہیں اور قیدیوں کے درمیان اشاعت اسلام میں مصروف ہیں۔

شیخ جنہ کا کہنا ہے کہ اسلام کا تصور توبہ، عیسائیت کے مقابلے میں قیدیوں کو زیادہ اپیل کرتا ہے۔ اول اسلام میں کوئی ایسی مذہبی اماموں کی جماعت نہیں ہے جو خدا سے قریب ہے اور خدا اور اس کے بندوں کے درمیان واسطے کا کام کرتی ہے۔ اس سب کے برعکس ہر بندہ خدا سے براہ راست تعلق قائم کرسکتا ہے۔ پھر عیسائیت کے مذہبی پیشوا حال ہی میں بہت سارے اسکینڈلوں میں ملوث رہے ہیں جن سے اسلام کی مذہبی شخصیات پاک صاف ہیں۔ دوسرے یہ کہ اسلام ایک انتہائی سادہ مذہب ہے۔ عیسائیت میں طرح طرح کی روایات ہیں۔ اس کے برعکس اسلام قبول کرنے کے لیے پبلک کے سامنے یا خود تنہائی میں کلمہ پڑھ لینا کافی ہے۔ تیسرے اسلام میں اصل گناہ کا کوئی تصور نہیں ہے۔ عیسائیت میں یہ تصور ہے کہ آدم کی غلطی کی وجہ سے تمام انسان گناہ گار ہوگئے ہیں۔ اس گناہ سے انسانوں کو بچانے کے لیے عیسی نے صلیب پر چڑھ کر اپنی جان دے دی۔ اس لیے ہر انسان اپنے اصل گناہ سے نجات کے لیے عیسائیت کو قبول کرے۔ اس کے برعکس اسلام کا تصور یہ ہے کہ کوئی بھی انسان گناہ گار پیدا نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے اعمال کا بلوغت کی عمر سے خود ہی ذمہ دار ہے۔ اسے خدا نے حضرت آدم یا کسی دوسرے کے گناہ کا متحمل نہیں بنایا ہے۔ اوپر کی تین باتوں کی وجہ سے برطانوی جیلوں کے بہت سے قیدی اسلام کی طرف راغب ہوئے ہیں۔

> اسلامی کلچرل سنٹر سے تعلق رکھنے والے جناب بشیر خان کا کہنا ہے کہ "جیل میں قیدی بالعموم خود سے اس قسم کے سوالات کرتا ہے کہ مجھ سے کہاں غلطی ہوئی اور سماج میرے کام کیوں نہیں آیا؟ ایسی ذہنی کیفیت کے حامل انسان کے لیے اسلام ایک متبادل پیش کرتا ہے۔"

اسلامی کلچرل سنٹر سے تعلق رکھنے والے جناب بشیر خان کا کہنا ہے کہ "جیل میں قیدی بالعموم خود سے اس قسم کے سوالات کرتا ہے کہ مجھ سے کہاں غلطی ہوئی اور سماج میرے کام کیوں نہیں آیا؟ ایسی ذہنی کیفیت کے حامل انسان کے لیے اسلام ایک متبادل پیش کرتا ہے"

صبا رسال الدین بھی ایک نو مسلم ہیں۔ انہوں نے اسلام جیل میں نہیں قبول کیا اور نہ کبھی کسی جرم میں جیل گئے۔ ان کا کہنا ہے کہ قیدی خاص طور سے اسلام کے سماجی انصاف کے تصور سے متاثر ہوتے ہیں۔ وہ مزید کہتے ہیں کہ عیسائیت بہت زیادہ زندگی اور موت پر زور دیتی ہے جبکہ اسلام آخرت پر زور دینے کے ساتھ اس زندگی میں بھی ایک منصفانہ سماجی نظام قائم کرنا چاہتا ہے۔ صدر اسلام کے اولین اسلام لانے والے لوگ غریب لوگ تھے، سماج کے اسی محروم طبقے نے اسلام کی دعوت پر سب سے پہلے لبیک کہا
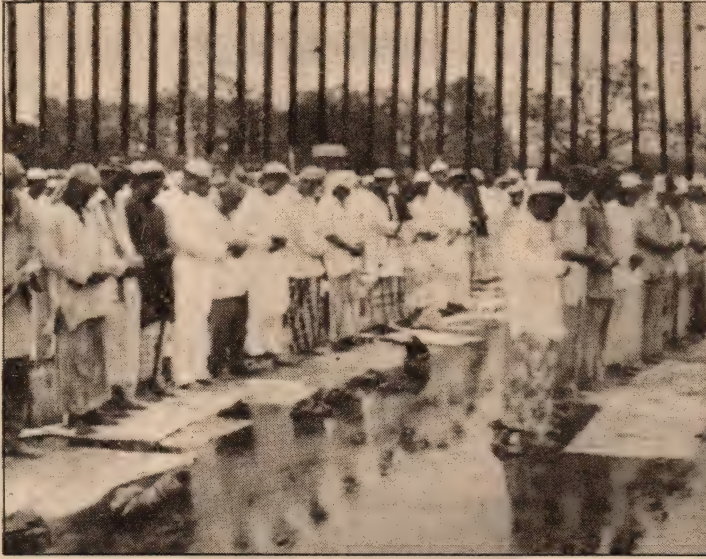
اخبار گارجین نے جیلوں میں پیش کئے جارہے اسلام کے سماجی انصاف کے تصور پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عیسائیت کے بعد مغرب میں جو سماج وجود پذیر ہوا ہے اس میں لبرلزم کے ساتھ سرمایہ داری کا دور دورہ ہے۔ ایسے سماج میں غریبوں کے لیے زندگی بسر کرنا مشکل ہوتا ہے اور وہ جرائم میں مبتلا ہوجاتے ہیں اور وہ اپنے سماج سے بغاوت کردیتے ہیں، ایسے لوگوں کے لیے اسلام کے سماجی انصاف کے تصور میں کافی اپیل ہے۔ اسلام سماجی ناانصافی کے خلاف بغاوت پر ابھارتا ہے۔ اس طرح دیکھا جائے تو جیلوں میں اسلام قبول کرنے والے اس نظام سرمایہ داری کے خلاف بغاوت کررہے ہیں جس میں انہیں انصاف نہیں مل سکا۔

افریقہ میں اپنی نوعیت کا پہلا اسلامی فیشن شو

جوہانسبرگ میں پچھلے دنوں منعقد صرف خواتین کے لئے اپنی نوعیت کے اولین فیشن شو میں اسلامی طرز کے ملبوسات کی نمائش ہوئی۔ اس شو کا اہتمام مسلم ویمنز فورم کی جانب سے اردن میں عربی سیکھنے والے ایک گروہ کو مالی امداد کی فراہمی کی غرض سے کیا گیا تھا۔ اس یادگار تقریب میں تقریبا تین سو خواتین نے حصہ لیا اور گیارہ فیشن ماڈلوں نے طرح طرح کی موسیقی کی دھنوں پر حجاب کے تصور کو پیش نظر رکھ کر ڈیزائن شدہ مغربی، مشرقی، افریقی اور عرب ملبوسات پہن کر سبک خرامی کا مظاہرہ کیا۔

یہ شو ہر ذوق کے افراد کی تسکین کا سامان اپنے اندر رکھتا تھا اور اسی لئے نوجوان، لاپروا اور نسبتا زیادہ قدامت پسند ملبوس ساز اس نمائش کو دیکھنے کے لیے موجود تھے۔ نمائش پر رکھے گئے آئٹموں میں ڈھیلی پلازو پینٹ مع بلاوز، جینز اور شرٹ مع اسکارف اور شمسی چشمہ، اردنی لبادہ، نائجیریا قفطان قابل ذکر ہیں۔

ڈیزائنوں کے تنوع کے بارے میں گفتگو کے دوران منتظمین میں سے ایک خاتون حمیدہ گبرو نے کہا کہ افریقہ کی مسلم خواتین کی حیثیت سے ہمیں اپنی اسلامی اقدار سے دست بردار ہوئے بغیر مشرق کو مغرب سے ملانے کی سہولت حاصل ہے۔ ناظرین کی طرف سے جو تبصرے ہوئے ان میں سے بیشتر میں اس فیشن شو کو "بے مثال" "بہت خوب صورت" اور "دلچسپ" قرار دیا گیا تھا۔ تاہم بعض ناظرین کے چہروں پر فیشن اور اسلام کے ربط کے بارے میں بے یقینی کا تاثر تھا۔

ناظرین کو خطاب کرتے ہوئے ایک منتظم شمیمہ کالو نے کہا کہ اگر یہ سوال کیا جائے کہ مسلم خواتین کے فیشن شو کی منطق کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ عورت کی حیثیت سے ہم فیشن کے احساس سے عاری نہیں ہیں اس لئے بجائے اپنے نسوانی جذبات و خواہشات سے انحراف کے ہمیں ان کی تسکین جائز حدود کے اندر کرنی چاہیئے۔ شمیمہ کی اس بات سے بیشتر سامعین نے اتفاق کیا اور انہیں یہ احساس ہوا کہ مسلم خواتین لباس کے اسلامی آداب و اصول کی خلاف ورزی کیے بغیر فیشن کا لطف اٹھاسکتی ہیں۔

ثانوی اسکول کی طالبہ انیسہ نے یہ خیال ظاہر کیا کہ نوجوان مسلم خواتین میں فیشن کا احساس زیادہ بیدار ہے۔ انہوں نے کہا کہ نوعمر لڑکیوں کو فیشن اور مذہب کے تعلق کو سمجھنے میں دقت پیش آتی ہے لیکن جوہانسبرگ کے فیشن شو نے ان پر اس تعلق کا انکشاف کردیا ہے۔ وہ یہ کہ فیشن کے احساس کی تسکین مذہب پر کاربند رہ کر بھی کی جاسکتی ہے۔ بچوں کے پروگراموں کی منتظم امینہ نام کی ایک خاتون نے یہ خواہش ظاہر کی کہ اس طرح کے فیشن شو وقتا فوقتا ہوتے رہنے چاہئیں۔

جیسا کہ حمیدہ نے بتایا اس شو کا ایک خاص مقصد خواتین ڈیزائنروں کی حوصلہ افزائی تھا اور یہ کہ مسلم ڈیزائن سازوں کے لئے اب رجحانات کی پیروی کرنے کے نہیں بلکہ خود رجحان سازی کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔

ملبوسات پر تبصرہ کرتے ہوئے امینہ نے کہا کہ لبادوں پر زیادہ زور تھا جس کی وجہ سے لڑکیوں کو تھوڑی مایوسی ہوئی اور ڈر بھی لگا۔ انہوں نے پرتاکید لہجے میں کہا کہ ہمیں فیشن کی نئی چیزوں پر نظر رکھنی چاہیئے۔

حجاب پر گفتگو کرتے ہوئے حمیدہ نے کہا کہ حجاب عورتوں سے خدیجہ، فاطمہ، عائشہ اور زینب کا تقاضہ کرتا ہے یعنی ایک ایسی عورت بننے کا جو علم، عقیدہ اور اللہ کی راہ میں انتھک جہاد کرنے کے راسخ جذبے سے آراستہ ہو۔ فیشن شو کے منتظمین نے اسے کامیاب قرار دیا کیونکہ ان کے نزدیک اس کا اہم ترین پہلو یہ تھا کہ عورتیں اپنے معاملات کو خود انجام دینے کی سمت میں قدم بڑھائیں۔ عربی زبان سیکھنے کی غرض سے اردن جانے والی خواتین کو مالی مدد کی فراہمی کے لئے منعقد اس شو کے لئے جمع شدہ رقم میں سے ٹیکس نکال دینے کے بعد مختصر رقم ہی بچ سکی۔

مراسلات

کشمیری مسلمانوں پر مظالم کی روداد بھی شائع کریں

"ملی ٹائمز" پڑھتا رہتا ہوں۔ آپ جس خلوص کے ساتھ اسلام اور ملت اسلامیہ کی خدمت انجام دے رہے ہیں، اس پر آپ کے لیے دل سے بے ساختہ دعائیں نکلتی ہیں۔ اللہ کرے آپ ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ ترجمانی کرسکیں۔

کشمیر میں جو حالات ہیں اور راسخ العقیدہ مسلمانوں کو جس طرح چن چن کر ختم کروایا جارہا ہے، اس پر براہ کرم کوئی مفصل رپورٹ شائع کریں، تاکہ دنیا کے سامنے ہندوستان کی مرکزی حکومت کا منافقانہ چہرہ آسکے۔ ایک طرف تو کشمیر میں لوگوں کے دل جیتنے کے دعوے کیے جارہے ہیں اور دوسری جانب ظلم و بربریت کی انتہا ہورہی ہے۔ امید ہے آپ اس جانب توجہ فرمائیں گے۔

گل محمد کشمیری، سری نگر (کشمیر)

اللہ آپ کو کامیاب کرے گا

ملی ٹائمز امت مسلمہ کی صدائے حق ہے۔ رب کریم سے دعا ہے کہ امت اس اسلامی صحافتی کوشش سے زیادہ مستفید ہو مزید ملی ٹائمز ہندوستانی مسلمانوں کی دینی قیادت اور فکری امامت کا کام انجام دے۔ ہماری ہر صحافتی کوشش صرف مادی فائدہ اور بغرض وصول دنیا نہ ہو بلکہ مجموعی آخرت کی زندگی کو سنوارنے کا ذریعہ بنے۔ اس سلسلے میں ناچیز کی نظر میں چند نکات پر غور کرلیں تو زیادہ بہتر ہوگا۔

ملکی سیاست کا کالم معیاری ہے اس کالم میں ملی سیاست پر تفصیل سے روشنی ڈالیں۔ مسلم دنیا کا اور تفصیلی بیان ہو۔ صرف سیاسی ہی نہیں بلکہ مذہبی و تمدنی اور تحریکی پہلو بھی اجاگر کریں۔

تعمیر سیرت ایک معیاری کالم ہے۔ اس میں زمانہ خلافت اور خلفائے راشدین کی طرز انتظامیہ، عدلیہ، تعلیمی، معاشی، معاشرتی و تمدنی پہلو قسط وار شامل کریں۔ کالم سوال و جواب اور مراسلات کو بھی معقول جگہ دی جائے۔

سرورق اور پس پشت مع تصاویر جاذب ہیں البتہ انہیں اور معیاری بنائیں۔ موجودہ دور میں پوری دنیا میں مجاہدین اسلام غلبہ حق کے لیے کیا جانی و مالی قربانیاں دے رہے ہیں قارئین کو آگاہ کریں۔ صرف صوبائی اور ملکی حالات حاضرہ تک ہی ہم محصور نہ ہوں بلکہ بیرونی دنیا کی اسلامی پیش رفت کا منظر بھی شامل حال رہے۔ موجودہ ملکی مسائل کے حل اسلامی طرز حکومت میں پیش کریں۔ طاغوتی نظام سے مسلمانوں کو نجات دلوائیں ملت کو بے شعوری کے حصار سے نکالنے کی کوشش کریں اللہ آپ کو ضرور کامیاب کرے گا۔

افضل حسین۔ اربا۔ رانچی۔ بہار

بابری مسجد ایس بی چوان اور عدالت

وزیر داخلہ شنکر راؤ چوان نے واضح الفاظ میں فرمایا ہے " بابری مسجد معاملہ سپریم کورٹ میں زیر غور ہے اور اگر اس فیصلے سے متنازعہ جگہ پر مسجد ہونے کی تصدیق ہو گئی تو دوبارہ مسجد بنائی جائے گی"

مسلمانوں کو پہلے سے پتہ ہے کہ وزیر داخلہ ہی کیا ہندوستان کا ہر ہندو لیڈر کاٹ چھانٹ کر بیان بازی کرے گا۔ متنازعہ جگہ پر مسجد ہونے کی تصدیق اب ہوگی؟ اگر دنیا والوں کا حافظہ کمزور نہیں ہے تو یہ پہلے سے ثابت ہے کہ نیر اور ریڈی جو کلکٹر فیض آباد اور گورنر یوپی رہ چکے ہیں کی خرافات سے "مسجد میں مورتی رکھوا کر" اور " بابری مسجد کو خطرہ نہیں ہے "کہہ کر اسے متنازعہ بنادیا گیا تھا اور اس خرافات کے جواب میں اس وقت کی یوپی گورنمنٹ حلفیہ بیان بھی لگا چکی ہے کہ "متنازعہ عمارت ہندوؤں کی عبادت گاہ کبھی نہیں رہی ہے مسلمان ہمیشہ سے اس میں عبادت کرتے چلے آئے ہیں" تو اب پتہ نہیں وزیر داخلہ کس بنیاد پر اس طرح سپریم کورٹ کی آڑ لینے میں مصروف ہیں؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اب سپریم کورٹ میں یہ بھی ثابت کیا جائے گا کہ وہاں مسلمانوں کی کوئی بھی عبادت گاہ نہیں تھی۔

کمال الدین تیتری بازار۔ سدھارتھ نگر (یوپی)

کیا یہی ہے لالو کی مسلم نوازی

بہار کے موجودہ وزیر اعلی جناب لالو یادو جی یہاں ایک مستحکم سرکار چلا رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ "ہم سیکولر پارٹی ہیں اس میں سبھی فرقے کے لوگوں کو برابری کا حق دیتے ہیں اور سبھی کو برابری کی نگاہوں سے دیکھتے ہیں" لیکن مسلمانوں کے معاملے میں ان کا رویہ سوتیلے پن کا ہے۔ یہاں مسلمانوں کی معاشی حالت کو تباہ کرنے کی جو سازش رچی جارہی ہے اس سے یہ بھی واقف ہیں۔ لالو جی تحفظ کے نام پر مسلمانوں کی معاشی زندگی سے کھلواڑ کر رہے ہیں۔ لالو جی کو اقتدار سنبھالے چھ برس ہوگئے ہیں۔ چھ برسوں میں انہوں نے مسلمانوں کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں دکھائی نہ ہی وہ مسلمانوں کو سرکاری ملازمت میں جگہ دے رہے ہیں اور نہ ہی اردو کو روزی روٹی سے جوڑ رہے ہیں۔ مدرسوں کے لیے تو آج تک لالو جی نے کچھ سوچا ہی نہیں اور نہ ہی وہ جانتے ہیں کہ مدرسہ کسے کہتے ہیں۔ لیکن الیکشن کے وقت انہیں مسلمانوں کے مسائل یاد آجاتے ہیں اور مسلمانوں کو بہلانے پھسلانے اور تحفظ کی پوری گارنٹی دینے لگتے ہیں۔

اس کے باوجود مسلمانوں کے ہمدرد کہلانے والے جنتادل کے مسلم رہنماؤں کے کان پر جوں تک نہیں رینگتی۔

محمد شمشاد علی

چورمبہ، مونگیر۔ (بہار)

مسلمان تعلیمی ادارے قائم کریں

آج ضرورت ہے کہ ہمارے مسلم نوجوان اٹھ کھڑے ہوں اور پوری محنت اور لگن سے ہر شہر، ہر گاؤں میں تعلیمی کمیٹیاں بنا کر ایسے ادارے قائم کریں جن میں دنیاوی اور جدید سائنسی تعلیم وغیرہ کے ساتھ ساتھ قرآن و حدیث کی تعلیم بھی دی جائے تاکہ آنے والی نسلیں اپنے دین اور اپنے اسلاف کے شاندار کارناموں سے واقف ہو کر اپنی قوم کے باشعور اور باصلاحیت فرد بن کر دین و دنیا میں باوقار مقام حاصل کرسکیں۔

ندیم رانا

جامع مسجد، مالیر کوٹلہ پنجاب

وزیر اعظم کے نام پندرہ ہزار مسلم خواتین کے خطوط

کل جماعتی متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی حیدر آباد (برائے خواتین) مسلم پرسنل لا میں مداخلت کے خلاف ایک تحریک چلا رہی ہے۔ اس سلسلے میں پورے ملک کی خواتین سے اپیل کی گئی تھی کہ وہ پرسنل لا میں مداخلت کے خلاف ایک احتجاجی خط وزیر اعظم کے نام روانہ کریں۔ خواتین نے جوش ایمانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس میں بھرپور حصہ لیا اور پندرہ ہزار سے زائد خطوط موصول ہوئے۔ ان تمام خطوط کو وزیر اعظم کے نام روانہ کردیا گیا ہے۔

ذکیہ بیگم

کنوینر کل جماعتی متحدہ تحفظ شریعت کمیٹی

بجلانی کی بجلی، اظہر اور ہم لوگ

شام پانچ بجے میں اپنے کمرے میں بیٹھی شری لنکا اور ہندوستان کے بیچ ہونے والے سیمی فائنل کا لطف اٹھانے کے ساتھ ساتھ اپنے بچے کو پڑھانے اور اپنے محبوب "پرچہ" "ملی ٹائمز" کا مطالعہ کرنے کا کام انجام دے رہی تھی T.V پر اظہر کی فیلڈنگ اور بیٹنگ کی تعریف کرتے ہوئے اسکرین پر اظہر کو دکھایا جارہا تھا میں محظوظ ہورہی تھی کہ اچانک اخبار کی ورق گردانی کے دوران میری نظر "بجلانی کی بجلی نے اظہر کا گھر پھونک دیا" کالم پر پڑی جسے میں نے ایک ہی سانس میں پڑھ ڈالا میں بیان نہیں کرسکتی میرے دل پر کیا گذری۔ میں بھی دو بچوں کی ماں ہوں اور ازدواجی زندگی اچھے ڈھنگ سے گذار رہی ہوں۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ اتنی اچھی بیوی اور دو معصوم زندگیوں کے ساتھ اظہر جیسا نیک اور سمجھدار انسان کیوں مذاق کررہا ہے۔ میں اظہر کو دعائیں دیتی تھی کہ خدا اس مسلمان بھائی کو عروج بخش دے لیکن یہ خبر پڑھ کر بہت صدمہ ہوا اور فوراً آپ کے پاس خط لکھنے بیٹھ گئی۔ میری دعا ہے کہ خدا آپ کو اور سبھی مسلمانوں کو ترقی اور کامرانی کی اونچی منزلوں سے نوازے اور گندی اور بیہودہ حرکتوں سے محفوظ رکھے میری ساری ہمدردیاں نورین کے ساتھ ہیں۔

آخر میں میں آپ کی شکر گذار ہوں آپ نے اردو کی خدمت کا جو عزم کیا ہے اللہ آپ کو کامیابیاں دیں۔ "ملی ٹائمز" روز اول سے میرا پسندیدہ اخبار ہے۔ ہم دونوں بغور مطالعہ کرتے ہیں

مسز شاداب نواز، میرٹھ

بقیہ: ٹائسن کا دھواں دھار جواب

اور انہوں نے برونو پر کئی زور دار گھونسے برسائے جس سے برونو لڑکھڑا گئے اور مقابلہ کرنے کے بجائے اپنے کو بچانے کے لیے جسم کا استعمال کرنے لگے یعنی اپنے ۱۱۲ کلو وزن کے جسم کو ٹائسن پر پھینکنے لگے تاکہ وہ ان کے منہ پر زبردست گھونسہ نہ مار سکیں۔ لیکن تیسرے راؤنڈ کے پہلے ہی منٹ میں برونو جواب دے گئے۔ ملک عبدالعزیز نے ان کے سر اور منہ پر گھونسوں کی بارش کردی جس سے وہ رنگ کی رسی پر بیٹھ گئے۔ ریفری نے صحیح فیصلہ کیا کہ برونو میں لڑنے کی سکت نہ رہی چنانچہ انہوں نے ملک عبدالعزیز کو گھونسہ مارنے سے روک کر ۱۰ تک گنتی گننے کے بجائے انہیں ناک آؤٹ قرار دے دیا۔ اور اس طرح ملک عبدالعزیز ۴ سال بعد دوبارہ باکسنگ کے عالمی چمپئن ہوگئے۔ اس مقابلے کے بعد عبدالعزیز کو ۳ کروڑ ڈالر اور برونو کو ۶۰ لاکھ ڈالر ملے۔

اسلام لانے سے قبل ملک عبدالعزیز یا سابق ٹائسن ایک لاابالی قسم کے انسان تھے جو فتح سے پہلے اور بعد میں دوسرے باکسروں کی طرح بے تکی ڈینگ مارنے کے بھی عادی تھے۔ لیکن اسلام کے بعد ان کی زندگی میں کم از کم ڈسپلن بہت آگیا ہے اور وہ اب پہلے کی بہ نسبت کہیں زیادہ سنجیدہ اور سلجھے ہوئے انسان نظر آتے ہیں اور باتیں سوچ سمجھ کر کرتے ہیں۔ اس کا اندازہ فتح کے بعد ان کی پریس کانفرنس سے بھی ہوا۔ بہر کیف یہ مقابلہ جیت کر ٹائسن یا ملک عبدالعزیز نے اپنے ناقدوں کا منہ بند کردیا ہے جنہیں ان کے اسلام کے بعد ان سے خدا واسطے کا بیر ہوگیا ہے۔

بقیہ: کھیل کھیل میں بے نظیر چال

ساز باز کرکے اس سے قبل اکثر خراب کھیل کا مظاہرہ کرتا رہا ہے، عمران اور اکرم کے گرد شکوک کے حصار کو تنگ کرنے کی کوشش کی ہے۔ حالانکہ ٹیم کے منیجر انتخاب عالم نے ان تمام بیانات کی تردید کی ہے لیکن جب کوئی معاملہ سیاسی رخ اختیار کرلیتا ہے تو پھر تردیدی بیانات باوزن ہونے کے باوجود بے وزن ہوجاتے ہیں۔

سرفراز نواز کا کہنا ہے کہ بے نظیر بھٹو نے انہیں شکست کی انکوائری کا اختیار دیا ہے۔ انہوں نے بے نظیر سے ملاقات کرکے انہیں اپنے نظریے سے بھی آگاہ کردیا ہے۔ واضح رہے کہ سرفراز کو کھیل کے دنوں میں انتہائی بھونڈا کھلاڑی سمجھا جاتا تھا۔ عمران خان نے اپنی کتاب اور برطانوی اخبارات کے اپنے کالم میں انہیں کھلم کھلا نمک حرام تحریر کیا ہے۔ سرفراز کا کہنا ہے کہ پاکستانی ٹیم کے کپتان وسیم اکرم عمران کے اشارے پر بنگلور میدان میں نہیں اترے۔ انہوں نے الزام لگایا ہے کہ عمران خان نے اپنے ایک صنعت کار دوست کے ساتھ ٹیم کی ہندوستان روانگی سے ایک دن قبل رات کے کھانے پر وسیم اکرم سے ملاقات کی تھی جہاں پر مالی منافع اور لین دین کے سودے طے ہوئے تھے۔ ادھر پاکستانی ٹیم کے نائب کپتان عامر سہیل نے جنہیں اکرم کی غیر موجودگی میں پاکستانی ٹیم کی قیادت کرنی پڑی تھی، کہا ہے کہ انہیں ٹیم کی قیادت کے لئے ذہنی طور پر تیاری کا وقت نہیں ملا۔ ان کا کہنا ہے کہ کھیل کی حکمت عملی طے کرنے کے لئے انہیں صرف پانچ منٹ کا وقت ملا۔ انہوں نے انتہائی افسوسناک انداز میں کہا کہ یہ پانچ منٹ زندگی بھر ان کا پیچھا نہیں چھوڑیں گے۔ انہوں نے کہا کہ وسیم اکرم ٹاس کے چند منٹ پہلے تک تیز گیند بازی کرکے اپنے فٹ ہونے کی جانچ کررہے تھے اور اچانک معلوم ہوا کہ وہ نہیں کھیلیں گے اور انہیں قیادت کرنی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جیسے ہی یہ پتہ چلا کہ اکرم نہیں کھیلیں گے ٹیم کے کھلاڑیوں میں حوصلہ شکنی کی کیفیت پیدا ہوگئی۔

بہرحال عمران اور اکرم کے خلاف ماحول بنانے کی پوری پوری کوشش کی جارہی ہے۔ ان الزامات میں کہاں تک صداقت ہے اس کا پتہ تو منصفانہ جانچ کے بعد ہی چل پائے گا لیکن اتنا تو طے ہے کہ اس طرح بے نظیر کو عمران سے انتقام لینے کا ایک حربہ مل گیا ہے اور وہ اس حربے کے سہارے عمران کو سیاسی میدان میں کھیلنے اور اپنی کامیابی کا جھنڈا گاڑنے سے باز رکھنے کی پوری کوشش کریں گی۔ یہ وقت بتائے گا کہ اس میدان میں جیت کس کی ہوگی عمران کی یا بے نظیر کی؟

ہماری ایجنسیاں

*آزاد بک اسٹور

مین روڈ۔ مدھوبنی۔ ضلع مدھوبنی (بہار)

*ممتاز علی

علی بک ڈپو، حبیب پور۔ بھاگلپور (بہار)

*نظیر بک ڈپو

۳۲۳ قائد ملی روڈ ٹرپلی کین۔ مدراس

*شمس ایجنسیز

۸۳۱-۳-۵ شنکر باغ۔ گوشہ محل روڈ،

حیدر آباد (آندھرا پردیش)

*نور بک سیلر، نیوز پیپر ایجنٹ

شاستری نگر، پلاٹ نمبر ۱۳

شولاپور (مہاراشٹر)

*یعقوب فلاحی

معرفت رحمان فارما

پرانہ قلعہ۔ سیوان (بہار)

*سید مصطفے احمد

الیکٹرا الیکٹرانک

۱۳۹ ثروت گیٹ نارتھ

مظفر نگر (اتر پردیش)

*برائیٹ نیوز ایجنسی

۱۴۶۔ ڈی این روڈ

مہیندرا چیمبرس فرسٹ فلور کمرہ نمبر ا

بمبئی۔ وی ٹی

*چھابڑا انٹر پرائزز

نیوز پیپر اینڈ بک سیلر ایجنٹ

۲۲ تیاگی ہوسٹل۔ ویسٹ کچہری روڈ

میرٹھ (اتر پردیش)

*ظہیر حسن نیوز پیپر ایجنٹ

سوداگر پٹی روڈ، کشن گنج (بہار)

مسلم قائدین بھی مسلمانوں کی پسماندگی کو دور کرنے کی کوئی کوشش نہیں کرتے

مسلمانوں کی خوشامد کے بجائے ان کے مسائل کو حل کرنے کی ضرورت ہے

تحریر: ایم۔کے۔نارائنن

معاصر صحافت کے کالم میں ہم اہم موضوعات پر معروف اہل قلم اور صحافیوں کے مضامین شائع کرتے ہیں۔ یہ مضامین ہم مختلف قومی اخبارات سے منتخب کرتے ہیں۔ ان کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قارئین دوسرے اخبارات کے قلم کاروں کے نظریات وخیالات سے واقف ہوسکیں۔ (ادارہ)

سیموئیل ہنٹگٹن نے اپنے مضمون "تہذیبوں کا تصادم" میں مستقبل میں جس تہذیبی شناخت کی اہمیت اختیار کرلینے اور قومی ریاستوں کے کمزور پڑنے کے ساتھ مذہبی شناخت کے مضبوط تر ہونے کی طرف جو اشارہ کیا تھا وہ گیارہویں عام انتخابات کے قریب آتے آتے زیادہ واضح ہورہا ہے۔ گویا اب پہلے کے مقابلے میں کم از کم ہندوستان میں مذہبیت اور مذہبی اقلیتیں تمام سیاسی جماعتوں کے نزدیک نفع و نقصان کا پیمانہ بنی ہوئی ہیں۔ جب کہ دنیا بھر کے دانشوروں نے ہنٹگٹن کے خیال کی مخالفت کی ہے۔ انتخابات میں مذہبی اقلیتوں کے ووٹ بینک پر سیاسی جماعتوں کا انحصار کسی ایسے ملک کی تشویش ناک صورت حال کا پتہ دیتا ہے جہاں پر تقریبا نصف صدی سے جمہوری نظام قائم ہے۔

انتخابات کے قریب آتے ہی اقلیتوں کی پسماندگی کا نعرہ لگاکر قوم کے بہی خواہ اور رہنمائی کا لبادہ اوڑھے رکھنے والے واعظوں اور پروہتوں کے ہاتھ میں اس کی قسمت چلی جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ ہوتا یہ ہے کہ اقلیتوں کو معاشرے میں ان کا جائز مقام نہیں مل پاتا۔ وقتی فائدوں کی خاطر مذہبی اور سماجی رہنماؤں کے ساتھ اپنے ووٹ کی سودے بازی کے جال میں پھنس کر اقلیتیں خصوصا مسلم اقلیت کی حیثیت ثانوی بن کر رہ جاتی ہے۔ اس وقت مسلم اقلیت کے رہنما کم خرچ بالانشیں کے اصول پر عمل کرتے ہوئے عوام کو ان دلائل سے قائل کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ مراعات، کوٹوں اور دیگر آسائشوں کے معیار و مقدار میں اضافہ کرائے بغیر قوم ترقی کی جدوجہد میں کامیاب نہیں ہوسکتی اور یہ مراعات انتخابات کے زمانے میں ہی حاصل کی جاسکتی ہیں۔ آج امیر اور غریب کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج کے باوجود طبقاتی تصادم کو سیاسی مسئلہ نہیں بنایا جاتا جب کہ ہونا یہی چاہئے۔ اس سے پیدا ہوئے خلا کو مذہب کی وساطت سے اقلیتی سیاست سے پر کیا جاتا ہے۔

یہ لیڈران ایسی تصویر پیش کرتے ہیں کہ ایک مذہبی اقلیت کو اس کے حقوق سے محروم کرکے ناکارہ بنادیا گیا ہے اور اس کو پھر سے زندہ کرنے کے لیے خارجی، سماجی اور سرکاری امداد کی سخت ضرورت ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اس تصویر کشی کا حقائق سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ مسلم فرقے میں باصلاحیت لوگوں کی کمی نہیں خواہ وہ تجارت وصنعت کے شعبے ہوں یا روزگاری کے۔ یہ ضرور ہے کہ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں میں ان کی نمائندگی خاصی کم ہے۔ لبرل پالیسیوں سے پیدا ہونے والے بہت سے مواقع کے دروازے ان پر بند ہیں اور خصوصا اعلی تعلیم کے میدان میں کی گئی توسیعات سے بھی وہ فائدہ نہیں اٹھا پاتے ہیں۔ اس لئے انہیں صلاحیت کی بنیاد پر ملنے والے مواقع سے محرومی کے خطرے کا سامنا یقینا ہے۔ اس کے لئے بڑی حد تک لیڈران قوم مذہبی قدامت پرستی، مرکزی دھارے کی پارٹیاں اور مرکزی حکومت سبھی ذمے دار ہیں کیونکہ یہ صورت حال محض پسماندگی پر اصرار اور انحصاریت پر تاوان لگاکر یا اس کا معاوضہ لے کر درست نہیں کی جاسکتی۔

بدقسمتی سے ملک میں اٹھتے ہوئے موجودہ رجحانات حوصلہ بخش نہیں ہیں۔ پٹنہ میں ملک گیر مسلم پارٹی کی تشکیل کے لئے ملی پارلیامنٹ کا اجلاس، اس کا مسلمانوں کے لئے علیحدہ الکٹوریٹ کا مطالبہ، مسلم سیاسی تنظیموں کا علیحدہ محاذ قائم کرنے کے بارے میں آل انڈیا مسلم فورم اور انڈین نیشنل لیگ، نائب امام کی طرف سے وزیر اعظم کو دس نکاتی مطالبے کا دیا جانا جس میں مسلمانوں کو پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں مناسب نمائندگی کا مسئلہ بھی شامل ہے۔ تمل ناڈو میں

نرسمہاراؤ درگاہوں کے سجادہ نشینوں کے ساتھ: کیا انہیں مسلم مسائل سے بھی دلچسپی ہے /

صوبے کے جنوبی حصے کی مسلم تنظیموں کی طرف سے پارلیمنٹ اور اسمبلیوں میں مسلمانوں کی نمائندگی کا مطالبہ اور آل انڈیا مسلم پرسنل لابورڈ کی طرف سے شرعی عدالتوں کے قیام کا مطالبہ، یہ سب ایسی باتیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مذہبی اقلیت معاملات کو بہتر بنانے کے بجائے سیاست کو بنیادی ڈھانچہ میں تبدیلی لانے کے لیے مجبور کرنے پر تلی ہے۔ ان سارے مطالبات میں اقلیتی فرقے کی پسماندگی اور تعلیمی پستی کے اسباب کا کہیں ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ قومی اقلیتی کمیشن کی ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کے بعض طبقوں کی تعلیمی پستی کا سبب مغربی تعلیم کے تئیں ان کا تعصب ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت انتخابات کے موقع پر نظر جماکر تو اس پستی کو دور کرنے سے رہی۔ حاجیوں کی تعداد میں اضافہ، اماموں کی تنخواہ میں اضافہ اور اقلیتوں کے لئے وزیر اعظم کے ۱۵ نکاتی بہبودی پروگرام کا نفاذ اسی مقصد کی کڑیاں ہیں۔

کانگریس جیسی مرکزی دھارے کی پارٹیوں کو معلوم ہونا چاہئے کہ پارٹی کے مقاصد سے وفاداری پر قائم عدم تشدد کا نعرہ لگاتے ہوئے فرقہ پرست لیڈروں کی حمایت حاصل کرنے کے لئے ان کی کوششیں کسی اقلیت یا اقلیتوں کے آئندہ مفادات کے لئے نقصان دہ ثابت ہوں گی اور اس پر اکثریتی طبقہ کی طرف سے بہت خراب رد عمل ہوگا۔ دہلی کی جامع مسجد کے نائب امام کے خلاف ۱۹۹۳ کے ایک معاملہ میں وارنٹ پر قانونی کارروائی کرنے میں حکام کی غفلت مسلم ووٹ بینک کو قابو کرنے میں نائب امام کی مدد کے حصول میں حکومت کی خواہش کا اشارہ ہے۔ ۱۹۸۰ میں بھی کیرالا ہائی کورٹ کے سمن پر شاہی امام کو حاضر عدالت یہ کہہ کر نہیں کیا گیا کہ وہ لاپتہ ہیں۔

خوشامد سے کہیں زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اکثریت اور اقلیت دونوں ایک دوسرے پر اعتماد اور اعتدال پسندی کی فضا پیدا کریں ورنہ عمل اور رد عمل کے ہجوم میں فرقہ پرست اور علیحدگی پسند طاقتیں زور پکڑتی جائیں گی۔ کیرالا کی انڈین نیشنل لیگ جیسی جماعتوں کی طرف سے پہلے ہی سے آوازیں لگ رہی ہیں کہ انتہاپسند عناصر ان کے منشور کو اچک کر پارٹی کی سیاست کے رخ کو بدل رہے ہیں۔

مسلم آبادی کی اکثریت والے علاقوں کو خود مختار تہذیبی خطے قرار دینے کے سلسلے میں ملی پارلیامنٹ کی تجویز یا صرف فرقہ وارانہ بنیاد پر انتخابات کرانے کی حامی پارٹیوں کو ووٹ دینے کے لئے مسلم مشاورت کے مطالبے کے تئیں خوشامدانہ یا مفاہمانہ رویہ اختیار کرنے کے بجائے حکومت کو چاہئے کہ اقلیتوں کی صلاحیتوں کو تعمیری مقاصد میں لگائے اور ان کے لئے تعلیمی مواقع فراہم کرے۔ اس کے ساتھ مرکزی دھارے کی پارٹیوں کو وشوہندو پریشد کے نام نہاد ہندو ایجنڈے کے ساتھ بھی سختی سے نمٹنا چاہئے۔ اس کے بغیر اقلیت اور اکثریت دونوں کی طرف سے مطالبات کا انبار لگتا جائے گا۔ اس صورت حال سے کیتھولک بشپ حضرات بھی اپنے مطالبات لے کر نکل کھڑے ہوئے ہیں اور انہیں توقع ہے کہ انتخاب میں ان کی حمایت حاصل کرنے کے لئے حکومت ان کے مطالبات پورے کرے گی۔

جمہوری سیاست کے حق میں کسی فرقے کی ناز برداری ہی شاید سنگین ترین خطرہ ہے۔ اصل ضرورت ہے اقلیتوں کی سطح کو بلند کرنے کی اور اس کے لئے تعمیری کام کی اور انتخابات کے موقع پر اقلیت کی طرف کسی طرح کے جھکاؤ کا مظاہرہ اکثریت کی طرف سے شدید رد عمل کا سبب بنتا ہے۔ اگر ہمیں فرقہ اور نسل و ذات کے غلبے کی سیاست سے دور رہنا ہے تو ووٹ کے غلبے والی سیاست کے بجائے گہری سوجھ بوجھ پر بھروسہ کرنا ہوگا۔ (انگریزی سے ترجمہ)

بقیہ: کشمیر سے متعلق غیر ملکی مصنف کی کتاب

سیاسی آئینی تبدیلیاں واقع ہوئیں ان کی رو سے اس کی ضرورت باقی نہیں رہی تھی کہ نہرو سیاسی حل کے طور پر رائے شماری کی تجویز رکھتے۔ مصنف کا خیال ہے کہ مسئلہ کشمیر کو سلجھانے کی غرض سے نہرو کے اقوام متحدہ میں جانے کے عمل سے ظاہر ہے بین الاقوامیت سے ان کی وفاداری کے تئیں بڑی طاقتوں اور خود اقوام متحدہ کا رد عمل نامناسب بھی تھا اور مایوس کن بھی۔ ہیوٹ نے لکھا ہے کہ "عالمی برادری کے ہاتھوں مسئلہ کشمیر کو سلجھانے کی کوششیں بڑی حد تک مقامی معاملات میں خارجی مداخلت کے رول کے تئیں ہندوستانی منافرت کی وضاحت کرتی ہیں۔ ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس بے نیازی کا رخ نہ صرف تیسری طاقت کی مداخلت کی طرف بلکہ عموما کثیر جہتی مذاکرات کی طرف بھی ہوگا۔"

جموں اور کشمیر سے بحث کرنے والے ابواب تفصیلی اور بیانیہ انداز کے ہیں۔ شاید ہیوٹ کے اس خیال سے متشدد وطن پرستوں کے جذبات مجروح ہوں کہ کشمیر میں موجودہ تشدد اور ابتری ہماری اپنی سیاست بازی اور بدنظمی کا نتیجہ ہے۔ مصنف کا یہ نکتہ ہمیں معروضیت کی روشنی میں قبول کرنا چاہئے کہ کشمیر میں علیحدگی پسندی کا رجحان وہاں کے معاملے میں خود ہماری عدم دلچسپی کی دین ہے جس سے پاکستان نے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔

یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ کشمیریوں کی سیاسی اور سماجی بدحالی برصغیر میں بھی منفرد حیثیت رکھتی ہے ان کی مذہبی، لسانی اور نسلی خصوصیات کی تکرار کسی حد تک کھٹکتی ہے۔ کسی قومی شناخت کی تشکیل میں عام ہندوستانی صورت حال انہی پیچیدگیوں کی زد پر آتی ہے جن کا ذکر مصنف نے کشمیر کے ضمن میں کیا ہے۔ اگرچہ ہیوٹ نے حقائق کی حد تک پاکستان کو ہند مخالف سرگرمیوں کے لیے تنقید کا نشانہ بنایا ہے انہوں نے بعض وجوہ سے وہاں دہشت گردانہ تشدد اور انسانی حقوق کی پامالی کے واقعات کو نظر انداز کیا ہے۔

تاہم یہ کتاب ۱۹۸۹ سے اب تک منظر عام پر آنے والی تحریروں میں نمایاں اس اعتبار سے ہے کہ یہ ڈھلے ڈھلائے نظریات پر اصرار کے بجائے برصغیر کو درپیش مسئلہ کے اسباب کی کڑیاں تلاش کرنے کی اچھی کوشش ہے۔

[illegible] ۔ عام آدمی کا [illegible]

بڑے بڑے سیاستداں جس کا نام سن کر لرز اٹھتے ہیں

گذشتہ دنوں ٹاڈا عدالت کے جج مسٹر ایس این ۔ ڈھینگرہ کے ایک ریمارک سے سیاستدانوں میں زبردست کھلبلی مچ گئی یہاں تک کہ پارلیمنٹ میں بھی اس پر ہنگامہ آرائی ہوئی اور کچھ ممبران پارلیمنٹ نے جج کو ایوان پارلیمنٹ میں طلب کرکے وضاحت مانگنے کا مطالبہ بھی کیا۔ اسپیکر مسٹر شیوراج پاٹل نے جج سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہے۔ یہ معاملہ کچھ زیادہ بڑھتا اس سے قبل ہی دہلی ہائی کورٹ نے جج کے تبصرے کو ریکارڈ سے خارج کردیا اور جج کو اپنے دائرے میں رہ کر فیصلے سنانے اور فقرے کسنے کی تلقین کی۔

> ڈھینگرہ کسی کے نظریات و خیالات کا اثر قبول نہیں کرتے وہ جو سوچ لیتے ہیں وہی فیصلہ دیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو وکلاء کے دلائل بھی نہیں سنتے۔

مسٹر شیونرائن ڈھینگرہ نے سابق مرکزی وزیر اور تہاڑ جیل میں بند کلپ ناتھ رائے کی اس درخواست کو کہ وہ پارلیمنٹ کے اجلاس میں شریک ہونا چاہتے ہیں، مسترد کرتے ہوئے ممبران پارلیمنٹ کے بارے میں کہا تھا کہ ان لوگوں نے پارلیمنٹ کو مچھلی بازار بنالیا ہے۔ پہلے راجہ مہاراجہ تعلیم یافتہ لوگوں کے قدموں میں بیٹھنے پر فخر محسوس کرتے تھے مگر آج کے سیاستداں غنڈوں کے قدموں میں بیٹھنے اور ان سے خفیہ طور پر چندہ لینے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

ڈھینگرہ کا نام اس وقت سامنے آیا جب سابق مرکزی وزیر ایچ کے ایل بھگت کے خلاف غیر ضمانتی وارنٹ گرفتاری جاری کیا گیا۔ اس کے بعد انہوں نے کلپ ناتھ رائے کے خلاف بھی ناقابل ضمانت وارنٹ گرفتاری جاری کیا۔ ڈھینگرہ کے فیصلے اس وقت منظر عام پر آئے جب پورے ملک میں سیاستدانوں اور جرائم پیشہ افراد میں ساز باز موضوع بحث بنا ہوا ہے۔ ڈھینگرہ کے پارلیمنٹ پر فقرہ کے بارے میں کچھ قانون دانوں کا کہنا ہے کہ یہ قابل اعتراض ہے اور انہیں پارلیمنٹ پر حملہ نہیں کرنا چاہئے تھا۔ حالانکہ انہوں نے وہی بات کہی تھی جو عوام کہتے ہیں لیکن حد سے تھوڑا آگے نکل گئے۔

ڈھینگرہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ انتہائی نرم گفتار، خلیق، ملنسار مگر شعلہ بیان بھی ہیں۔ ان کی شعلہ بیانی تو عوام نے ان کے فیصلوں میں دیکھ لی ہے۔ ان کے ساتھیوں کا کہنا ہے کہ ممبران، پارلیمنٹ کی مذمت کے
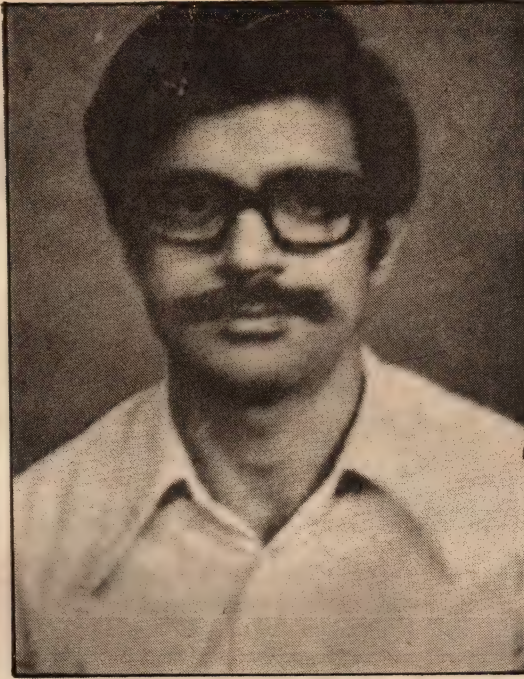
جسٹس ایس این ڈھینگرہ: جس نے سیاستدانوں کو انکی اوقات بتادی

باوجود وہ اب بھی بدعنوانی کے خلاف لڑائی لڑنے کے طرفدار ہیں۔ ایک وکیل مہیش سکسینہ کا کہنا ہے کہ ڈھینگرہ کسی کے نظریات و خیالات کا اثر قبول نہیں کرتے وہ جو سوچ لیتے ہیں وہی فیصلہ دیتے ہیں۔ کبھی کبھی تو وکلاء کے دلائل بھی نہیں سنتے۔ گذشتہ دنوں بار کونسل نے ان کے خلاف اس وقت ایک مذمتی قرار داد بھی پاس کی تھی جب دو وکلاء نے شکایت کی کہ ڈھینگرہ انہیں کے سکھ مخالف فسادات میں پھنسانا چاہتے ہیں۔ بھگت کے کیس میں اظہار خیال کرتے ہوئے مسٹر ڈھینگرہ نے کہا تھا کہ جب ایک بدعنوان کسٹم افسر رنگے ہاتھوں پکڑا جاتا ہے اور اس کے ساتھی اس کے حق میں ہڑتال کردیتے ہیں، جب کوئی سیاستداں کسی جرم میں پکڑا جاتا ہے اور اس کے حمایتی فساد کرنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں، جب کوئی وزیر اعلیٰ کسی مجرم کو پیرول پر چھوڑتا ہے اور اس کے ساتھ سیاسی پلیٹ فارم پر نظر آتا ہے اور جب کوئی مرکزی وزیر داؤد ابراہیم کے آدمیوں کی میزبانی کرتا ہے تو ایسے حالات میں یہ مہذب معاشرہ اور مہذب سماج ٹوٹتا بکھرتا سا محسوس ہوتا ہے۔

کلپ ناتھ رائے ڈھینگرہ کی عدالت سے باہر نکلتے ہوئے

ایس این ڈھینگرہ انجینئرنگ میں گریجویٹ ہیں۔ اس سے قبل وہ وزارت دفاع میں ملازم تھے۔ پھر قانون کی پڑھائی کرنے کے بعد سپریم کورٹ میں وکالت کرنے لگے ۱۹۸۸ میں ججوں کے بنچ میں شامل ہوگئے اور ۹۴ میں انہیں ٹاڈا عدالت کا جج بنادیا گیا۔ ان کے بارے میں عام طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ عام آدمی کے جج ہیں۔ اور شاید یہی وجہ ہے کہ ان کے فیصلوں اور تبصروں سے غیر عام لوگ (سیاستداں) زبردست پریشانی اور بے چینی میں مبتلا ہیں۔

بقیہ: ہم نے دنیاوی برائیوں کو ہوا اور پانی کی طرح بنیادی ضرورت بنالیا ہے

انہیں خاصا اطمینان ہوا تھا۔ منزل پر پہنچ کر اسکوٹر والے نے ان سے عام کرایے کے مقابلے میں ڈیوڑھے پیسے طلب کیے تو انھوں نے اس پر اعتراض کیا۔ اسکوٹر والے کو بڑا غصہ آیا اور ٹیکسی ڈرائیور والی دلیل کا سہارا لیا۔ ہمارے دوست نے اس کی مطلوبہ رقم اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا کہ جو لوگ بے ایمانی میں ملوث ہیں وہ یقیناً اچھا نہیں کرتے اگر تم ان کے عمل کو نذیر بنانا چاہتے ہو تو یہ کلمہ طیبہ کی پٹی اسکوٹر پر سے اتار دو۔ (اللہ کا شکر ہے کہ اس تنبیہ کا اس پر اثر ہوا اور اس نے عام سے کچھ زیادہ پیسے پر اکتفا کرلیا۔)

عذاب و ثواب کی تاویل کا طریقہ کار یہ ہے کہ ہمارا یقین اس پر تو ہے کہ نیکی بدی کو کھاجاتی ہے لیکن اس طرف دھیان نہیں دیتے کہ بدی نیکی کو بھی کھاجاتی ہے۔ ایک طبقہ کہتا ہے کہ آخرت میں نیکیوں کا اجر الگ اور برائیوں کی سزا الگ ملے گی اس لئے دل کھول کر برائیوں کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر انہیں دھونے کے لئے کچھ نیکیاں بھی کرلیتا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے کہ حقوق العباد کو حقوق اللہ پر فوقیت حاصل ہے لہذا اول الذکر سے ہی سروکار رکھتا ہے اور حقوق اللہ سے چشم پوشی کا جواز تلاش کرلیتا ہے۔ کوئی ناجائز کمائی سے عیش کرتا رہتا ہے اور مسجد کی تعمیر جیسے کار خیر میں شریک ہونے کے لئے اصل تنخواہ میں سے کچھ رقم چندہ دے کر اسے بزعم خود جائز و حلال قرار دے لیتا ہے۔

> مسلمانوں کو عیسائی اور یہودی عورتوں سے شادی کی اجازت ضرور ہے تاہم عام حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی ان کے ساتھ کھانا پینا بھی ہوسکتا ہے ان کی دعوت بھی قبول کی جاسکتی ہے۔

نیکی اور بدی کے باہمی ربط کو سمجھنے کی غلطی کا کرشمہ ہے کہ آج جہاں بھی مسلم آبادیاں ہیں ان میں نہ مساجد کی کمی ہے نہ نمازیوں کی۔ لیکن ان میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں جو نماز پڑھنے کے فوراً بعد نازیبا گفتگو، خرافات، کسی بھائی کی عیب جوئی، کسی کی حق تلفی جیسی حرکات میں مصروف ہوجاتے ہیں اور اللہ کی رضا جوئی کے بجائے اپنے نفس کی تسکین کو مقصد بنالیتے ہیں۔

ہماری زندگی سے اخذ کردہ یہ مثالیں کیا ہم سے یہ تقاضا نہیں کرتیں کہ ہم اپنے آپ کو ٹٹولیں کہ ہم سے نبیادی غلطی کہاں پر ہوئی ہے۔ اپنے جسمانی نظام پر دوا اور ممنوع غذا کے اثرات درمیان ربط کا جب ہم ادراک کرسکتے ہیں تو نظام حیات پر نیکی اور بدی کے اثرات کے درمیان تعلق کو سمجھنے سے قاصر کیوں ہیں؟ ☆☆☆

بقیہ: ایران کے وزیر انٹلی جنس کی گرفتاری

بھی ایسے افراد کو برسراقتدار لایا جائے جو ان کی مغربی ایشیا کی پالیسی کی تائید و حمایت کریں۔ چونکہ ایران دوسروں کی بہ نسبت نام نہاد مغربی ایشیائی امن عمل کا زبردست مخالف ہے اس لئے اسرائیل کی ہمیشہ کوشش رہی ہے کہ تہران کو کسی طرح زک پہونچائے۔ اس اسرائیلی فکر کی برطانیہ اور امریکہ بھی حمایت کرتے ہیں جنہیں اس امریکی، برطانوی و اسرائیلی اسکیم کی راہ میں اب تک یوروپی ممالک آڑے آتے رہے ہیں جن کے ایران سے سلمان رشدی کے مسئلہ کے باوجود اچھے تجارتی تعلقات رہے ہیں۔ اسرائیل کے خلاف حماس کے حالیہ تباہ کن حملوں نے انہیں موقع فراہم کردیا ہے کہ اس سمت میں اپنی کوششیں مزید تیز کردیں۔ بون کی ایک عدالت سے ایک ایرانی وزیر کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری ہونے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اب انہیں اپنے مقاصد میں کسی نہ کسی حد تک کامیابی ملنا شروع ہوگئی ہے۔ لیکن یہ کہنا اب بھی مشکل ہے کہ کیا واقعی اب مغربی یوروپ کے ممالک ایران کے خلاف معاشی و سیاسی جنگ شروع کردیں گے؟

بقیہ: بچوں پر بھی کمپیوٹر کے اسرار و رموز

درآمدی محصول میں تخفیف نے متوسط طبقے کی قوت خرید کو بڑھایا ہے۔ اس کا اندازہ یوں کیا جاسکتا ہے کہ جس خاندان نے تقریباً پچاس ہزار روپے خرچ کرکے کچھ برس پہلے مقامی بازار سے پرسنل کمپیوٹر خریدا تھا اب مزید بیس ہزار روپے خرچ کرکے اس کی جدید ترین شکل سے اپنے گھر کو آراستہ کرنے پر آمادہ ہے۔ ہوم کمپیوٹروں کی فروخت کو بڑھانے کے لئے ایبل فروش اس وقت کنزیومر سائیکولوجی (صارف کی نفسیات) کی طرف خاص توجہ دے رہے ہیں۔ مثال کے طور پر ٹاٹگرین گروپ کے چیرمین نے یہ محسوس کیا کہ کم عمر بچے ہوم کمپیوٹر پر مختلف کھیلوں سے لطف لینے اور لڑکیاں ان پر طرح طرح کے ڈرائنگ اور ڈیزائن بنانے میں دلچسپی رکھتی ہیں لیکن چونکہ بیشتر کو کمپیوٹر چلانے کا تجربہ نہیں ہوتا اس لئے وہ اسٹوروں سے اپنے والدین کے ساتھ حسرت کے ساتھ واپس جاتے ہیں۔ یہ سوچ کر وہ اپنے اسٹوروں میں بچوں کو بٹھاکر ابتدائی تربیت دینے کا انتظام کرنے لگے ہیں۔

آخر یہ صورتحال ہمیں کچھ سوچنے پر مجبور کیوں نہیں کرتی کہ

ہم نے دنیاوی برائیوں کو ہوا اور پانی کی طرح بنیادی ضرورت بنالیا ہے

تحریر: س۔ احمد

یہ وہ زمانہ ہے جب آسان پسندی انسانی زندگی کے ہر شعبے میں در آئی ہے یہاں تک کہ عقائد و نظریات اور حق و باطل اور حلال و حرام کے تصور کی تعبیر میں بھی۔ یہ آسان طلبی کئی حالات کی وجہ سے ہے اس سے زیادہ انسان کی پیچیدہ نفسیات کی بنا پر ہے۔ اس کی سرشت میں چھپا ہوا خودستائی کا پہلو اسے اپنے ہر ناجائز عمل کا بھی جواز فراہم کرنے پر اکساتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس اجمال کی روشنی میں ہم مسلم معاشرے کا جائزہ لیں۔

کسی عارضے میں مبتلا کوئی شخص جب معالج سے رجوع کرتا ہے تو ڈاکٹر اپنے مریض کو دوا دینے کے ساتھ ساتھ بعض چیزوں سے پرہیز کی بھی ہدایت کرتا ہے کہ بصورت دیگر شفا کے بجائے مرض کے بڑھنے کا اندیشہ رہتا ہے۔ اب اگر اس مریض کو اپنی صحت اور زندگی عزیز ہے تو وہ ڈاکٹر کی ہدایت پر پوری طرح عمل کرے گا۔ وہ اس حیل و حجت میں نہیں پڑے گا کہ دوا کے فائدے کا شعبہ جسم کے اندر الگ ہے اور بحالت مرض کسی ممنوع چیز کے استعمال یا کوئی کام کرلینے کے نقصان کا خانہ مختلف ہے۔ معمولی فہم رکھنے والا شخص بھی اس تاویل سے گریز کرے گا اور خود کو یہی جواب دے گا کہ جسم تو ایک مجموعی نظام ہے جس کے ایک حصے کو پہنچنے والا ضرر یا آرام اس کے دوسرے حصے پر لامحالہ منفی یا مثبت اثر چھوڑے گا۔

لیکن جب ہم نیکی اور بدی کے وسیع تر تناظر میں انسانی رویوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ سچ اور جھوٹ، ایمانداری اور بددیانتی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے خودساختہ پیمانے لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔ آپ اپنے احباب میں کسی کے گھر ملنے جائیے یا ٹیلی فون کیجیے۔ صاحب خانہ کے بجائے کسی بچے یا گھر کے کسی اور فرد

> جب ہم نیکی اور بدی کے وسیع تر تناظر میں انسانی رویوں کا مطالعہ کرتے ہیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں تو معاملہ بالکل برعکس ہے۔ سچ اور جھوٹ، ایمانداری اور بددیانتی، حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کے خود ساختہ پیمانے لوگوں نے اختیار کر رکھے ہیں۔

سے آپ سلام کرکے مخاطب ہوتے ہیں تو وہ بجائے سلام کا جواب دینے کے حیرت سے آپ کا نام پوچھے گا پھر آپ کے اس سوال کے جواب میں کیا فلاں صاحب گھر پر موجود ہیں وہ دوبارہ سوال کرے گا "آپ کا نام کیا ہے؟ ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں۔" بات بالکل صاف ہے کہ صاحب خانہ نے اپنے اہل و عیال کو یہ تربیت دی ہے کہ گھر میں ان کی موجودگی کی تصدیق خود ان سے کرنے کے بعد آنے والے شخص کو کوئی جواب دیا جائے اور یہ کہ سلام کا جواب صرف اسی شخص کو دیا جائے گا جس کے نام اور پتے سے وہ پوری طرح واقف ہوں۔ صاحب خانہ کو یہ سوچنے کی فرصت ہی کب ہے کہ کسی ملاقاتی نے ان کے دروازے تک پہنچنے میں ارادہ و عمل کے مراحل طے کیے ہیں۔ اگر ایسے افراد سے کبھی اس موضوع پر گفتگو ہو تو وہ بڑی بے نیازی سے شاید یہی کہیں گے کہ بہت سے لوگ وقت خراب کرنے آجاتے ہیں اس لئے گھر والوں کو ہدایت کردی گئی ہے۔ حالانکہ موجودگی اور عدم موجودگی سے متعلق واضح جواب دینے کی صورت میں بھی آنے والے سے ملنے اور نہ ملنے کے انتخاب کی پوری گنجائش رہتی ہے۔

مذکورہ بالا مثال بظاہر انسانی سلوک کے ایک معمولی گوشے کا احاطہ کرتی ہے لیکن غور کرنے کی بات ہے کہ کیا اس کے اثرات صرف اسی گوشے تک محدود رہیں گے اور کیا زندگی کے دیگر شعبوں تک ان اثرات کی لہریں نہیں پہنچتیں۔ کیا یہ صورت حال ہمیں یہ سوچنے پر مجبور نہیں کرتی کہ ہم نے جھوٹ کو ہوا پانی جیسی بنیادی ضرورت بنالیا ہے لیکن اس سے باخبر ہیں کہ اس بنیادی ضرورت پر انحصار ہمارے نظام اقدار کو کھوکھلا کر رہا ہے۔

آسان طلبی کے رویہ کا ایک اور مظاہرہ اس وقت سامنے آتا ہے جب کوئی شخص اپنے کسی منفی عمل کی سنگینی کا کسی دوسرے کے عمل سے موازنہ کرکے خود کو حق بجانب قرار دیتا ہے۔ تعجب نہیں اگر یہ ہمارا اور آپ کا مشترک تجربہ ہو کہ آپ نے ٹیکسی سے کہیں کا سفر کیا اور ٹیکسی ڈرائیور نے میٹر کے بتائے عام کرایے سے کافی زیادہ پیسے طلب کیے۔ اس کو تنبیہ کیے جانے پر

اس صورت حال پر ہم نے کبھی غور کیا؟

اس کا ردعمل یہ تھا کہ اس دور میں تو بڑے بڑے وزیر اور عہدیدار بے ایمانی کرکے اپنی جیبیں بھر رہے ہیں ہم نے تھوڑی سی بے ایمانی کرلی تو کون سی آفت آئی جارہی ہے۔ ہمارے ایک دوست کو اس کا تلخ تجربہ ہوا۔ ایک بار انھوں نے پرانی دلی ریلوے اسٹیشن کے لئے اسکوٹر کیا جس کے ونڈاسکرین پر کلمہ طیبہ کی پٹی چپکی دیکھ کر انہیں خاصا اطمینان ہوا تھا۔ منزل پر پہنچ کر اسکوٹر والے نے ان سے عام کرایے کے مقابلے میں

باقی صفحہ ۱۶ پر

زوجہ اول کے خیالات عقد ثانی کی شرعی حیثیت پر اثر انداز نہیں ہوتے

آپ کے سوال اور ان کے فقہی جواب

سوال: — میرے ایک عزیز نے اپنی ایک رفیقہ کار سے بعض مسائل کے پیش نظر کسی دوسرے شہر میں لے جاکر عقد ثانی کیا۔ کچھ دنوں کے بعد اپنی پہلی بیوی کے کہنے، دوسری بیوی کی ماں کے اصرار اور خاندان میں موجود ایک ثالث کے مشورے پر اس نے دوسری بیوی کو طلاق دیدی۔ پھر یہ ہوا کہ ثالث نے پہلی بیوی کو یہ ترغیب دلانے کی کوشش کی کہ وہ دوسری عورت کے ساتھ اپنے شوہر کے نکاح کی بحالی منظور کرلے لیکن پہلی بیوی نے اس صورت کو منظور کرنے سے صاف انکار کردیا۔ اس فیصلے کے بارے میں کیا رائے ہے۔ کیا شخص مذکور پہلی بیوی کی طرف سے شدید مخالفت کے باوجود اپنی دوسری بیوی سے دوبارہ شادی کرسکتا ہے۔ اور کیا یہ شادی کسی طرح ثالث کی مداخلت کے بغیر ممکن ہے؟ اگرچہ عورت کی عدت گذر چکی ہے۔

جواب: — اس مسئلے کے دو پہلو ہیں۔ ایک مذہبی اور دوسرا سماجی۔ ایک کا تعلق کسی عمل کے جائز ہونے سے ہے اور دوسرے کا تعلق اس کی موزونیت سے۔ بعض دفعہ متوقع نتائج کی نوعیت کے پیش نظر کسی جائز عمل کو موزوں قرار نہیں دیا جاتا۔ جہاں تک شخص مذکور کے عقد ثانی کا تعلق ہے تو اس نے کوئی غلطی نہیں کی جس کے لئے زوجہ اول سے اجازت لینا اس کے لئے ضروری نہیں تھا۔ پہلی بیوی کے خیالات اس عقد ثانی کے بارے میں کیا ہیں وہ اس عقد کی شرعی و قانونی حیثیت پر کسی طرح اثر انداز نہیں ہوتے۔

ثالث کی طرف سے زوجہ ثانی کو طلاق دئے جانے کی تجویز کی کوئی بنیاد اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔ یہ ضرور ہے کہ وہ پہلی بیوی اور دوسری بیوی کی والدہ کے درمیان مفاہمت کی کوشش کر رہا تھا لیکن دوسری بیوی پر اس کوشش کے اثرات سے بے خبر تھا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ دوسری بیوی کو عارضی طور پر طلاق دلوانا چاہتا تھا تاکہ عقد ثانی کے معترض لوگوں کی انا کو کچھ تسکین مل جائے۔ اگر اس مقصد کو پانے کے لئے دوسری بیوی کے لئے طلاق کی صورت پیدا کی گئی تو یہ فیصلہ بالکل غلط کیا گیا۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ طلاق ایک سنگین معاملہ ہے اور اسی صورت میں یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے جب ازدواجی رشتے کو باقی رکھنے کی تمام راہیں مسدود ہوجائیں۔ قاعدے کی بات یہ تھی کہ بجائے عارضی طلاق کا فیصلہ کرنے کے ثالث یہ کرتا کہ پہلی بیوی اور دوسری شادی پر معترض لوگوں کو یہ باور کرتا کہ عقد ثانی ہر اعتبار سے درست و جائز اور شوہر کے حقوق و اختیارات کی حدود میں تھا۔ اگر زوجہ اول اس عمل سے متفق نہیں اور شوہر کے ساتھ نباہ پر راضی نہیں تو وہ طلاق لے سکتی ہے۔ مذکور شوہر اور اس کی طلاق شدہ دوسری بیوی کے درمیان رشتہ ازدواج کی تجدید کا امکان ہر وقت موجود رہے گا۔ تاہم اس کے لئے از سر نو نکاح ہوگا اور اس کا مہر بھی از سر نو طے ہوگا۔

> قاعدے کی بات یہ تھی کہ بجائے عارضی طلاق کا فیصلہ کرنے کے ثالث یہ کرتا کہ پہلی بیوی اور دوسری شادی پر معترض لوگوں کو یہ باور کرتا کہ عقد ثانی ہر اعتبار سے درست و جائز اور شوہر کہ حقوق و اختیارات کی حدود میں تھا۔

سوال: — عیسائیوں سے کیسا سلوک کرنا چاہئے۔ کیا مسلمان عیسائی عورت سے شادی کرسکتا ہے۔ کیا ہم اس طرح عیسائیوں کے ساتھ کھانے پینے میں شریک ہوسکتے ہیں جیسے کہ مسلمانوں کے ساتھ۔ کیا ایک ہی پلیٹ میں ان کے ساتھ کھایا پیا جاسکتا ہے۔ اگر نہیں تو کیوں؟

جواب: — مسلمانوں اور اسلام کے تئیں جارحیت نہ اختیار کرنے والی کسی قوم سے بھی دوستانہ تعلقات رکھے جاسکتے ہیں۔ جہاں تک عیسائیوں اور یہودیوں کا تعلق ہے تو ہم ان کے مذاہب کا احترام کرتے ہیں کیونکہ حضرت عیسی اور حضرت موسی دونوں ہی اللہ کی وحدت کا پیغام لے کر آئے تھے۔ مسلمانوں کو عیسائی اور یہودی عورتوں سے شادی کی اجازت ضرور ہے تاہم عام حوصلہ افزائی نہیں کی جاتی۔ ان کے ساتھ کھانا پینا بھی ہوسکتا ہے ان کی دعوت بھی قبول کی جاسکتی ہے بشرطیکہ کوئی ممنوع اور حرام شے اس میں شامل نہ ہو۔

پرسنل کمپیوٹر شہری زندگی کا لازمی حصہ بنتا جارہا ہے

بچوں پر بھی کمپیوٹر کے اسرار و رموز کی کھڑکیاں کھل گئی ہیں

ٹیلی ویژن اور واشنگ مشین جیسے بجلی کے سامانوں کی طرح پرسنل کمپیوٹر بھی گھریلو استعمال کی چیزوں میں شمار ہونے لگا ہے. جو اب آپ کو ڈائننگ ٹیبل اور الماری کے ساتھ رکھا ہوا مل جائے گا۔ گویا طرز زندگی میں تبدیلی لانے والا ایک اور جدید آرائشی سامان بن چکا ہے۔ اب یہ دیکھ کر ہمیں تعجب نہیں ہوتا کہ سات آٹھ سال کا بچہ بڑے اعتماد کے ساتھ کی بورڈ سے مطلوبہ کمانڈ دے کر اپنی پسند کے کھیل میں مگن رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس سے چھوٹی عمر کے بچوں میں بھی اس کھلونے یعنی پی سی کی شدت پیدا ہو چلی ہے۔ اب تو چھ سال کا منا کسی بھی کمپیوٹر شاپ میں جاکر اپنی پسند کا سافٹ ویر خرید لاتا ہے۔ بلکہ یہی منا جلد ہی پی سی کے اسرار و رموز سیکھ لینے کے بعد اس میں استعمال ہونے والے سافٹ ویروں کی تفصیل بھی بتانے لگتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ ہندوستان میں ابھی ایسے خاندانوں کی تعداد خاصی کم ہے جہاں اتنی کم عمر کے بچے پی سی پر تفریحی کھیل دیکھتے ہوں، اور دیگر معلوماتی آپریشن کرتے ہوں تاہم یہ طے ہے کہ ایک نئے شہری رجحان کا آغاز ہوچکا ہے اور ایسا لگ رہا ہے کہ بہت جلد پی سی آسائش کے بجائے ضرورت کی جگہ لے لے گا۔ اگرچہ پی سی واشنگ مشین اور مائیکرو ویو کے مقابلے میں دوگنی قیمت میں آتا ہے اور ٹی وی اور ویڈیو کی مجموعی قیمت کے مقابلے میں کم قیمت کا ہے لیکن ابھی اس کے عام ہونے میں شاید تعلیم کی کمی حائل ہے۔ اوسط درجے کے تعلیم یافتہ خاندان کے والدین اپنے بچوں کو جدید دور کی اس نعمت سے محروم نہیں رکھنا چاہتے یہ کہنا خاصا مشکل ہے کہ اس وقت کتنے ہندوستانی خاندانوں کے پاس پی سی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ ایسے مشین فروشوں سے پی سی خریدتے ہیں جو غیر ملکی گٹوں میں پی سی اسمبل کرکے بازار میں لاتے ہیں۔ لیکن مینوفیکچررز ایسوسی ایشن آف انفارمیشن ٹیکنولوجی کے ایک نمائندے کا کہنا ہے کہ حال میں نصب کردہ دس لاکھ پرسنل کمپیوٹروں میں سے آٹھ فیصد مشینیں ایسی ہیں جو گھریلو استعمال میں آرہی ہیں۔ اس تعداد میں ڈرامائی اضافے کی ہی امید کی جاسکتی ہے ۹۸۔۱۹۹۷ تک ایک ملین پرسنل کمپیوٹر فروخت ہوچکے ہوں گے۔ اکیسویں صدی کے آغاز میں یہ تعداد تین لاکھ ہوجائے گی اور اس کے ساتھ گھریلو استعمال میں آنے والے پی سی کی شرح آٹھ یا دس سے بڑھ کر بیس فیصد ہوجائے گی۔ یہاں اب تک قابل ذکر اور دل چسپ بات یہ ہے کہ آسانی سے درآمد شدہ سامان رکھنے والے چھوٹے سافٹ ویر خوردہ فروشوں کا کہنا ہے کہ پہلے ہی ان کے خریداروں میں گھریلو صارفین کی تعداد ۵۰ فیصد ہے۔ ایک دوکان دار کا مشاہدہ ہے کہ ان خریداروں میں زیادہ تعداد عورتوں کی ہے۔ وہ زیادہ تر آسان تر ورڈ پروسیسنگ سافٹ ویر اور آرٹسٹ پروگرام طلب کرتی ہیں تاکہ اپنے ذاتی تہنیتی کارڈ اور لیٹر پیڈ خود ڈیزائن کرسکیں۔ کمپیوٹر سکھانے والے اسکولوں نے اس رجحان کا خیر مقدم کیا ہے۔ ایک زمانہ تھا جب پہلا کمپیوٹر جو کبھی دماغی کمپیوٹر کا ایک حصہ ہوا کرتا تھا اس نے پہلی بار اس ضرورت کا احساس کیا کہ کم و بیش ۱۲۰۰۰ آسامیاں کمپیوٹر پروگرامروں کی موجود ہیں۔ لوگوں کو یہ سکھانے کا بازار خاصا وسیع ہے۔ وہ اپنے کمپیوٹر سے پورا فائدہ کس طرح اٹھا سکتے ہیں؟ اس ضمن میں ایک پی سی فروش کا تجربہ ہے کہ ان کے خریداروں میں دس فیصد تعداد ان عورتوں پر مشتمل ہے جو وقت کے تقاضوں کے ساتھ چلنا چاہتی ہیں۔

اس رجحان کے کئی اسباب ہیں۔ ایک تو یہ کہ بالائی متوسط طبقے کے پاس پہلے کے مقابلے میں آج اتنی دولت آگئی ہے کہ ان اضافی چیزوں پر پیسے خرچ کرسکیں۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ لبرل تجارتی پالیسیوں اور

بقیہ صفحہ ۱۲ پر

ہم بچے سہی لیکن کمپیوٹر کو چلانا بھی کوئی مشکل نہیں

حال میں نصب کردہ دس لاکھ پرسنل کمپیوٹروں میں سے آٹھ فیصد مشینیں ایسی ہیں جو گھریلو استعمال میں آرہی ہیں۔ اس تعداد میں ڈرامائی اضافے کی ہی امید کی جاسکتی ہے ۹۸۔۱۹۹۷ تک ایک ملین پرسنل کمپیوٹر فروخت ہوچکے ہوں گے۔

واقعی انسانی ترقی اپنے عروج پر ہے

انسان کے سینے میں خنزیر کا دل نصب کرنے کا تجربہ ہورہا ہے

اگر آپ یہ سنیں کہ کسی سائنسداں نے انسان کے جسم میں خنزیر کا دل نصب کرنے کے تجربے کی ابتداء کی ہے تو ہم میں سے بیشتر افراد اس خیال یا تجویز کو دیوانہ پن پر محمول کریں گے۔ لیکن امریکہ کی نارتھ کارونسیا ریاست کے ڈیوک یونیورسٹی میڈیکل سنٹر کے محققین کا خیال ہے کہ وہ بالکل صحیح الذہن ہیں اور ان میں جنون کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔ انہوں نے یہ امید ظاہر کی ہے کہ وہ اپنے تجربے کی بنیاد پر اس حیرت انگیز تصور کو عملی صورت دینے میں عنقریب کامیاب ہوجائیں گے۔ مشہور جریدے "نیچر میڈیسن" کے تازہ ترین شمارے میں شائع ایک رپورٹ شاہد ہے کہ انہوں نے مختلف طبقات کے جانداروں کے اعضاء کی ایک دوسرے میں پیوند کاری میں فطرف کی طرف سے کھڑی کی جانے والی بعض رکاوٹوں پر بڑی حد تک قابو پالیا ہے۔ یہ تجربہ اس طرح کیا گیا کہ خنزیر کے دل کی جنسیاتی ساخت کو تبدیل کرکے بندر کے Immune System سے ہم آہنگ کیا گیا اس طرح کہ وہ عین ان کے دل کی ہی طرح کام کرے چاہے اس عمل کی مدت مختصر ہی ہو۔ تحقیقی ٹیم کا خیال ہے کہ اس تجربہ کو انسانی جسم پر کامیاب ہونے میں دو سال کا عرصہ درکار ہوگا۔

ایک نسل کے جانور کے اعضاء کی دوسرے میں منتقلی کو ۱۹۸۴ میں بہت سے ماہرین نے بعید از امکان قرار دیا تھا جب کیلیفورنیا کے سوما نور ہاسپٹل میں ڈاکٹر لینارڈ بیلی نے دو ہفتے کے شیر خوار کے جسم میں بندر کا دل لگایا تھا۔ بچے کا نام "فے" تھا۔ آپریشن کے تین ہفتوں کے بعد گردہ کی ناکامی کے باعث بچہ فوت ہوگیا اور کامیابی کی کمترین امید کے ساتھ انسانی جسم پر ایسے مہلک تجربے کے لئے بیلی کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔

انسانی جسم میں حیوانی اعضاء کی پیوند کاری کے امکان پر دوبارہ جس چیز نے محققین کو اکسایا ہے وہ اعضاء کا عطیہ دینے والے رضاکاروں کی دن بدن گرتی ہوئی تعداد ہے۔ یہ صورت حال اس طرح اور بھی واضح ہوجاتی ہے کہ امریکہ میں اس وقت چالیس ہزار افراد دل کی پیوند کاری کی فہرست انتظار میں درج ہیں اور اعضاء کا عطیہ دینے والے افراد صرف پانچ ہزار ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس سے پہلے کہ ان تمام درخواست کنندگان کے لئے دل فراہم کیا جاسکے وہ زندگی سے ہی ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔

طبی تحقیق اب اس مرحلے میں داخل ہوچکی ہے کہ ایک انسان کا عضو اگر دوسرے انسان کے جسم کو سازگار نہ آئے تو اس کے امیون سسٹم کو دواؤں کی مدد سے دبایا جاسکتا ہے۔ جب ایک قبیل کے ذی روح کے اعضاء دوسری قبیل کے جاندار کے جسم میں لگائے جاتے ہیں تو یہ رد عمل یا عدم قبولیت کا مسئلہ اور شدید ہوجاتا ہے اور اندرونی نظام کسی بھی خارجی خلیے پر تیزی سے حملہ آور ہوتا ہے۔

اس پریشانی کے حل کے لئے پرنسٹن نیو جرسی کی ایک بایوٹک فرم فیکٹری نے خنزیر کی جنسیات کو نئی شکل دے کر انہیں انسانی جنسیات کے بعض اوصاف کے مطابق بنایا ہے اور اس طرح خنزیر کی ایک نئی نسل وجود میں آئی۔ جب یہ Transgenic جانور ایک خاص عمر کے ہوگئے تو ڈیوک یونیورسٹی کی تحقیقاتی ٹیم نے ان خنزیروں کے دل بندر کے دل کی جگہ نصب کردیئے اور یہ بندر کئی گھنٹے بلکہ ان میں سے ایک پورے دن زندہ رہا۔

انسان اور بندر چونکہ جنسیاتی طور پر خاصے مماثل ہیں اس لئے خنزیر کے دل کے انسانی Markings نے انہیں بندروں میں بھی اپنے فعل کو جاری رکھنے کی صلاحیت پیدا کردی اور بندروں کے امیون سسٹم نے ان دلوں کو مسترد نہیں کیا۔ اس کے باوجود اس ٹیم نے طویل مدتی استردادی رجحان پر قابو پانے کے لئے دوا کا استعمال کیا تھا۔

تاہم اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جانوروں کے اعضا کو انسانی جسم میں لگانے کی راہ میں حائل رکاوٹیں یکسر دور ہوگئی ہیں کیونکہ سب سے بڑا خطرہ تو یہی ہے کہ پیوند کاری کے آپریشن کے دوران خنزیر میں موجود طاقتور وائرس جو انسانی جسم میں منتقل ہوں گے خود ان کا ہی تدارک کرنا دو بھر ہوجائے گا جو دیگر بہت سے مسائل پر بھاری ہے۔

انسان کو خنزیر کی سطح تک گرانے کی کوشش

اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ جانوروں کے اعضا کو انسانی جسم میں لگانے کی راہ میں حائل رکاوٹیں یکسر دور ہوگئی ہیں کیونکہ سب سے بڑا خطرہ تو یہی ہے کہ پیوند کاری کے آپریشن کے دوران خنزیر میں موجود طاقتور وائرس جو انسانی جسم میں منتقل ہوں گے خود ان کا ہی تدارک کرنا دو بھر ہوجائے گا جو دیگر بہت سے مسائل پر بھاری ہے۔

سماجی اور مذہبی تناظر میں مسئلہ کشمیر کا حل تلاش کرنے کی ایماندارانہ کوشش ۔ مگر

کشمیر سے متعلق غیر ملکی مصنف کی کتاب پر غیر اعلانیہ پابندی

ملی ٹائمز میں تبصرے کے لئے دو نسخے آنا لازمی ہیں۔ تبصرے کے لئے کتابوں کے انتخاب کا حتمی فیصلہ ادارہ کرے گا البتہ وصول ہونے والی کتابوں کا اندراج ان کالموں میں ضرور ہوگا۔

نام کتاب: ماضی کی بازیافت

مصنف: ورنن ھیوٹ

ناشر: پورٹ لینڈ بکس، صفحات: ۲۱۲

مبصر: جے این دکشت

برسٹل یونیورسٹی میں شعبہ سیاسیات سے وابستہ ورنن ھیوٹ نے جن کے اختصاص کا میدان جنوبی ایشیا اور برصغیر کے سیاسی تغیرات ہیں کشمیر پر بیشتر ہمعصر تحریروں کے برعکس ماضی کو حال سے مربوط کرکے مسئلہ کشمیر کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے معتبر ہونے کی بنیاد نہ صرف ان کی علمی صلاحیت پر بلکہ اس خطہ ارض میں لمبے عرصے تک قیام پر بھی ہے۔ اگرچہ اس کتاب پر سرکاری طور پر کوئی پابندی نہیں ہے لیکن ہندوستانی قارئین کی رسائی اس تک ہو نہیں پارہی ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ابتداء میں جو نسخے ملک میں پہنچے وہ کسٹم پر ضبط کرلیے گئے۔ اس کا تشویشناک پہلو یہ ہے کہ جب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ یہ کتاب بک اسٹالوں پر دستیاب کیوں نہیں ہے تو وزارتہائے خارجہ اور داخلہ دونوں سے یہی جواب ملتا ہے کہ کتاب پر کسی پابندی کے عائد کیے جانے کا انہیں کوئی علم نہیں ہے۔ مزید تحقیقات کرنے سے معلوم ہوا کہ ۱۹۹۴ میں کسی وقت کسٹم حکام کو یہ ہدایت دی گئی تھی کہ مسئلہ کشمیر پر کسی بھی غیر ملکی تحریر کردہ کتاب کو ضبط کرلیا جائے۔ اس طرح ہم ہندوستانی ایک برطانوی اسکالر کی تصنیف کے مطالعے سے محروم رہ گئے۔ یہ بات اس لئے قابل افسوس ہے کہ کتاب کا انداز خاصا معروضی ہے اور کشمیر پر ہندوستانی موقف کے تئیں بے نیازانہ رویہ اختیار کیا گیا ہے۔ مصنف کا مقصد کشمیر سے متعلق موجودہ تنازعات سماجی و تہذیبی اور نسلی و مذہبی تناظر میں رکھ کر درپیش مسائل کے سیاسی حل پر نگاہ ڈالنا ہے۔ ۱۶ صفحات پر مشتمل تعارف پوری کتاب کا ایک طرح سے خلاصہ بھی بن گیا ہے۔ کتاب کے چھ ابواب میں ۲۰۰۰ ق۔م سے لے کر نئے تنازعات شروع ہونے تک جموں کے وجود اور اس کی حیثیت کا احاطہ کرنے کے ساتھ ۹۰-۱۹۸۹ اور اس کے بعد سامنے آنے والے بحران کا جائزہ بھی لیا گیا ہے۔ پہلے باب میں ۱۹۳۰ کی دہائی میں جموں میں مسلم پاپولر تحریک کی ابتدا سے بحث کی گئی ہے تو دوسرے باب میں تقسیم ملک کی ابتداء اور جموں و کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق کو موضوع بنایا گیا ہے جس کا خاتمہ ۱۹۶۵ کی ہند۔ پاک جنگ پر ہوتا ہے۔ تیسرے باب میں اس کا تجزیہ کیا گیا ہے کہ مسئلہ کشمیر کو لائن آف کنٹرول کے دوسری جانب کس زاویے سے دیکھا جارہا ہے۔ اس میں بقول مصنف ریاست جموں و کشمیر پر اثر انداز ہونے والے پاکستانی موقف اور رجحانات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ چوتھے اور پانچویں ابواب میں مختلف پہلوؤں سے جموں و کشمیر کے ساتھ ہندوستان کے طرز سلوک پر گفتگو کی گئی ہے اور آخری باب میں بین الاقوامی اور مقامی پس منظر میں تنازعہ کشمیر کا جائزہ لیا گیا ہے۔

مصنف نے کشمیری یا اردو زبان کی واقفیت سے معذوری ظاہر کرتے ہوئے ثانوی ماخذ پر اپنے انحصار کا اعتراف کیا ہے تاہم پہلا باب قارئین کو کشمیر کی سماجی اور سیاسی حیثیت کے ارتقاء کا جچا تلا، بامعنی اور تفصیلی سروے فراہم کرتا ہے۔ یہ ابواب محققین کے لیے حوالے کا تیار شدہ مواد تو ہیں ان سے بعض ان دعوؤں کی نفی بھی ہوتی ہے جو کشمیر اور پاکستان کے درمیان ناگزیر اور بنیادی اسلامی ارتباط پر اصرار کرتے ہیں اور جس کی صدا وہ پچھلے ۴۹ برسوں سے لگاتار رہا ہے۔

اندرا گاندھی شیخ عبداللہ مسئلہ کشمیر کے حل کی تلاش میں

جموں و کشمیر میں ایک مخلوط اور مختلف الجہات سول سوسائٹی سے متعارف کرانے میں ہیوٹ پوری طرح کامیاب ہیں۔ ہوسکتا ہے تقسیم ہند کے موضوع پر ہمارے معاشرے کے بعض وطن پرست حلقوں کے نزدیک ان کے باتیں ناقابل قبول ہوں۔ کیونکہ انہوں نے بجا طور پر اس طرف اشارہ کیا ہے کہ جموں و کشمیر کو ہندوستان کا حصہ بنانے کے لیے ہری سنگھ کا فیصلہ آزادانہ اختیار کو بروئے کار لانے کا اظہار نہیں تھا بلکہ پاکستانی تشدد کے پیش نظر انہیں جموں و کشمیر کے ہندوستان کے ساتھ الحاق پر مجبور ہونا پڑا۔

ہیوٹ کا یہ قیاس بھی خاصا دلچسپ ہے کہ کشمیر کو زبردستی حاصل کرنے کے لئے پاکستانی اقدامات کو روکنے کی پراثر کوششوں کے بعد جو

بقیہ صفحہ ۱۵ پر

آپ کی الجھنیں

شوہر ہونا بیویوں پر ظلم و زیادتی کا لائسنس نہیں

اگر آپ کسی الجھن میں ہیں یا کسی اہم مسئلے پر فیصلہ لینے کی پوزیشن میں نہیں ہیں جس سے آپ کی زندگی کا سکون درہم برہم ہوگیا ہے تو آپ فوری طور پر ہمیں اپنے مسائل سے آگاہ کریں۔ ہم اس کالم میں آپ کی نفسیاتی الجھنوں کو دور کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

سوال:— میرا شوہر مجھ پر بڑی سختی کرتا ہے۔ مارتا ہے ڈانٹ پھٹکار کرتا رہتا ہے حالانکہ میں اس کی فرماں برداری میں کوئی کمی نہیں اٹھار کھتی لیکن بات بات میں وہ بھڑک اٹھتا ہے اور غصے میں بے قابو ہوجاتا ہے۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ مجھ سے پہلے بھی اس نے ایک عورت سے شادی کی تھی جس سے دو بچے ہیں اور ہمارے ساتھ ہی رہتے ہیں ان کی عادتیں خراب ہیں۔ وہ ان دونوں کو میرے بچوں پر فوقیت دیتا ہے۔ جب اس معاملے پر میں اس سے الجھتی ہوں تو کہتا ہے کہ مجھے مارنے اور ڈانٹنے کا اسے پورا حق ہے اور اس کے برعکس مجھے اس سے محبت کرنے کا بھی حق حاصل نہیں نہ ہی اس کو جواب دینے کا۔ کیا ایسی صورت میں مجھے اس سے طلاق لینے کا حق ہے۔ اور اگر ایسا ہوجائے تو کیا یہ ممکن ہے کہ میں اپنے بچوں کی تربیت کروں اور انہیں شوہر کے پاس نہ چھوڑوں تاکہ وہ فاسد اور غیر اخلاقی باتوں سے بچے رہیں۔

جواب:— زوجین میں سے ہر کسی کو چاہئے کہ ایک دوسرے کے تئیں اپنے فرائض اور حقوق کو اچھی طرح سمجھیں تاکہ ازدواجی زندگی کو سکون کے ساتھ گذارنے میں کوئی قباحت پیش نہ آئے۔ اس کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ کوئی دوسرے پر شدت اور زیادتی نہیں کرے گا۔ جن گھروں میں اس اصول پر عمل ہوتا ہے وہاں کوئی ایسی بات دیکھنے میں نہیں آتی۔ جہاں تک اس مظلوم عورت کی شکایت کا تعلق ہے کہ اس کا شوہر اسے زدو کوب اور ڈانٹ پھٹکار کرتا ہے اس دعوے کے ساتھ کہ یہ تو شوہر کا حق ہے تو یہ سراسر احکام شرعی سے اس کی ناواقفیت کی دلیل ہے۔ کسی مومن کو ہرگز یہ جائز نہیں کہ اپنی بیوی کو لعنت و ملامت کرے الا یہ کہ اس کی کوئی وجہ ہو۔ اس صورت میں بھی عقل و ہوش سے کام لیتے ہوئے معاملے کی نوعیت کو سمجھ کر کم سے کم شدت کا طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے۔ گویا کہ مجبوری کی حالت میں ہی کسی سختی کی گنجائش ہے۔ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ مومن کو گالی دینا فسق و فجور کے مترادف ہے اور اسے قتل کرنا کفر کے درجے میں ہے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مومن کو لعنت و ملامت کرنا اس کو قتل کرنا ہے۔"

جیسا کہ اوپر ذکر ہوا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی پر بحالت مجبوری اگر شدت کرسکتا ہے تو اس حد تک کہ اسے کسی ایسی بات سے روکنے کے لئے جو حد درجہ شرمناک ہو زدو کوب اسی حد تک کیا جاسکتا ہے کہ جلد پر کوئی زخم نہ آئے، ہڈی نہ ٹوٹے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان دو احتیاطی باتوں کا خاص خیال رکھتے ہوئے اسے زیادہ سے زیادہ ایذا پہنچانے کی ترکیبیں سوچی جائیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اس کو تنبیہ ہوجائے اور باغیانہ جذبہ سرد ہو اور وہ راہ راست پر آجائے۔ انسان دوستی کے دعویدار کچھ بھی کہیں لیکن انسانی معاشرے کا کوئی فرد ہو عملاً یہی دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر معتبر حدود سے تجاوز کرتا ہے تو اسے راہ راست پر لانے کے لئے تادیبی کارروائی تو کسی سطح پر کرنی ہی پڑتی ہے۔

شرعی احکام کی ناواقفیت کی بنا پر لوگوں نے قوامیت کی سازگار تعبیریں وضع کرلی ہیں جب کہ دین اسلام میں قوامیت سے مراد کہیں بھی تسلط اور ظلم و زیادتی کا لائسنس نہیں ہے۔ ازدواجی زندگی پر اس کا اطلاق کریں تو عورت کی حیثیت خانگی نظام میں ایک ناظم امور کی ہے کہ اسی کے نظم و نسق کی بدولت افراد خانہ کی ان کی عمروں اور ضروریات کے مطابق نشو و نما اور دیکھ ریکھ ہوتی ہے۔

سائلہ نے جو شوہر سے طلاق لینے کی بات لکھی ہے تو یہ کوئی پسندیدہ اقدام نہیں ہوگا۔ بے شک اس کا شوہر غلطی پر ہے ازدواجی زندگی کی نعمتوں کا احساس دلانے کی غرض سے بعض سنجیدہ طبیعت کے دین دار لوگوں کا تعاون حاصل کیا جائے کیونکہ جن مسائل سے وہ طلاق کی صورت میں دوچار ہوسکتی ہے ان کا اسے کچھ اندازہ ہونا چاہئے۔ اس سے ضرور شوہر کے سلوک میں مثبت تبدیلی کی امید کی جاسکتی ہے۔ ایک گرکی بات بتاؤں کہ بعض خواتین کی مثال ہمارے سامنے ہے کہ انھوں نے شوہر کی سختیوں کے باوجود صبر کرکے اپنی اولاد کی اچھی تربیت کی اور جب وہ اپنے شعور کو پہنچے تو انہوں نے باپ کے عادات و اطوار کو درست کردیا۔ زیر نظر معاملہ کا مستقبل مجھے کچھ ایسا ہی نظر آرہا ہے۔

Price Rs. 5/-
1 - 15 April 1996
Volume : 3, Issue : 7

The Milli Times International
49, Abul Fazal Enclave, Jamia Nagar, New Delhi-110025 Phone:6827018
Fax: (011) 6926030

R.N.I. No. 57337/94
RGD. DL No.-11234/96

لمحہ لمحہ انتظار

داغستان کے ایک چھوٹے سے پناہ گزیں کیمپ میں حسرت و یاس کی تصویر بے بس مسلم خواتین کا یہ گروہ ایک موہوم امید کے سہارے نہ جانے کس لمحے کا منتظر ہے۔ دن گزرے ماہ گزرے اور اب تو بات سال سے اوپر ہو گئی ہے تب سے یہ بے چاری مسلم خواتین انتہائی شدید احساس بے بسی کے ساتھ ایک نئی صبح کی امید کو تکتی ہیں لیکن آنے والا کوئی دن ان کے لئے کوئی مسرت افزا خبر نہیں لاتا۔ چیچنیا میں مختلف محاذوں پر لڑائی جاری ہے۔ دارالحکومت گروزنی کھنڈر میں تبدیل ہو کر اب بھوتوں کا شہر لگتا ہے۔

داغستان کے اس کیمپ میں بیشتر عورتیں ہیں یا پھر چند معصوم بچے۔ مرد یا تو میدان جنگ میں ہیں یا دشمنوں کے مقابلے میں کام آ گئے ہیں۔ بیواؤں کی آبادی اور یتیموں کی تعداد ہر لمحے بڑھتی جا رہی ہے۔

البتہ ان تصویروں میں بے بسی کے علاوہ ایک عجیب سکون اور اطمینان کی کیفیت بھی شامل ہے۔ ان میں سے بیشتر وہ مائیں ہیں جنھوں نے اپنے کمسن نونہالوں کو ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ آگ اور خون کے محاذ پر جنگ کے لئے بھیج دیا ہے۔ اب ہر دن وہ ایک ایسی خبر کے انتظار میں ہیں جو ان کے نونہالوں کی ٹوٹی پھوٹی کوششوں کو فتح عام میں بدل دینے کا مژدہ سنا سکے۔

یہ صورت حال صرف چیچنیا کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دنیا بھر میں بے شمار مسلم مائیں ایک نئی صبح کے انتظار میں لمحہ لمحہ گن رہی ہیں۔ دیکھا جائے تو اس وقت مسلم دنیا کا ایک بڑا حصہ پناہ گزیں کیمپوں میں تبدیل ہو چکا ہے۔ اقوام متحدہ کے ہائی کمیشن برائے پناہ گزیں کے مطابق اس وقت دنیا کے اسی فیصد رفیوجی مسلمان ہیں۔ آخر بات کیا ہے؟ مسلمانوں کی سرزمین پر کفار و مشرکین کی جارحیت روز بروز کیوں بڑھتی جا رہی ہے۔ چیچنیا ہو یا آذربائیجان، جورجیا ہو یا بوسنیا سے متعلق علاقے، وسط ایشیا کی ریاستیں ہوں یا روانڈا اور موزنبیق کی سرزمین ہر جگہ خون مسلم ارزاں ہے۔ مرد حملوں کی زد میں آ گئے، عورتوں کی عصمت تار تار ہوئی، بچوں اور بوڑھوں کو تہہ تیغ کیا گیا اور جو بچ رہے ان کے لئے پناہ گزیں کیمپ قائم کر دیئے گئے۔ اور یہ پناہ گزیں کیمپ بھی پوری طرح دشمنوں کے رحم و کرم پر ہیں۔

یہ تو وہ علاقے ہیں جن کی اطلاعات کسی حد تک دنیا کو پہنچ چکی ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ بھی بے شمار ایسے علاقے ہیں جو ہماری دسترس سے باہر ہیں۔ چند ماہ قبل انگشتیا کے ایک مسلمان نے جب مجھے وہاں کی اس صورت حال سے مطلع کیا اور مسلمانوں کے قتل عام سے متعلق چند رنگین تصویریں میری خدمت میں پیش کیں تو میں دہشت زدہ ہو گیا۔

کسے معلوم تھا کہ صرف چودہ صدیوں بعد امت مسلمہ پر ضعف کی ایک ایسی صورت حال طاری ہوگی جب ۱٫۳ (ایک اعشاریہ تین) بلین مسلمانوں میں کفر کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کی ہمت دم توڑ دے گی۔ تھوڑے سے نہتے، باحوصلہ فدائین اسلام مقابلے کے لئے آگے آئیں گے جبکہ ۹۹ فیصد مسلمان بے حسی اور بزدلی کے شکار زندگی کے مادی دوڑ دھوپ میں کچھ اس طرح مبتلا ہوں گے جس سے سب کچھ ٹھیک ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہو۔

ایسا بھی نہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا انقلابی پیغام روپوش ہو گیا ہو یا ان کے نام لیواؤں کی تعداد کم پڑ گئی ہو۔ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا چرچا آج بھی جاری ہے۔ زاہدوں اور عابدوں سے یہ امت خالی نہیں، تسبیحوں کے دانے ایک دوسرے پر کھٹ کھٹ گر رہے ہیں۔ ہاؤ ہو کا نعرہ بھی جاری ہے لیکن یہ سب کچھ اس روح سے خالی ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو ایک ناقابل تسخیر قوت میں تبدیل کر سکتی ہے۔ یہ سب کچھ ٹھنڈے ٹھنڈے اسلام پر چلنے کا نسخہ ہے جو بعد کی ایجاد ہے۔ اس کا اس دین سے کوئی تعلق نہیں جو خدا کی کتاب اور رسول کی سنت میں پایا جاتا ہے۔

آج بے شمار بے بس عورتیں یا یتیم اور بے سہارا بچے مسلم دنیا کے مختلف علاقوں میں ان اللہ والوں کی راہ تک رہے ہیں جو خود کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کا ایک سپاہی سمجھتے ہیں اور جو اٹھتے بیٹھتے خدا اور اس کے رسول سے اپنے گہرے تعلق کا ذکر کرتے ہیں اور جو عبادت و ریاضت کے ہر طریقے سے اپنے آپ کو مسلمان باور کرانے پر مصر ہیں انہی نفوس سے ان بے سہاروں کا مطالبہ ہے کہ آؤ اور ہمیں بے بسی کی اس صورت حال سے نجات دلاؤ۔